بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ

پیغام شریعت دہلی

PAIGAM E SHARIAT

Monthly

مارچ ۲۰۱۷ | جلد ۲ | شمارہ نمبر: ۱۲ | March-2017

ایک شمارہ کی قیمت 15 روپے، سالانہ زر تعاون 150 روپے، بیرون ممالک کے لئے 40 ڈالر، خلیجی

طابع، ناشر، مالک محمد قاسم نے اعلیٰ پرنٹنگ پریس 3636 کٹرا دینا بیگ، لال کنواں، دہلی-6 سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "پیغام شریعت" 442، سیکنڈ فلور، گلی سروتے والی، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی-6 سے شائع کیا۔

ترسیل وزر کا پتہ

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی

مکہ پبلیشر دہلی

گلی سروتے والی مکان نمبر ۴۴۲، دوسری منزل، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی۔ ۶

آفس کا فون نمبر: Ph: 011-23260749, Mob: 9911062519

PAIGHAM E SHARIAT

Monthly

House No. 442, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali,
Matia Mahal Jama Masjid Delhi-110006
Mob: 9911062519, 011-23260749
Email: paighameshariat@gmail.com
Indian Bank, A/c. Name: Paighameshariat
A/c. No. 6409744750, IFSC Code IDIB000J033

فہرست مضامین

:نوٹ:

اداریہ

امریکہ میں درس نظامی کا فروغ

از: فیضان المصطفیٰ قادری

اس وقت ساری دنیا کا موضوع تو نئے امریکی صدر کے وہ صدارتی احکامات ہیں جن سے پورے امریکہ میں ہاہا کار مچی ہوئی ہے، اور دنیا بھر کے میڈیا کی نظریں لگی ہوئی ہیں کہ اگلے دن کون سا فرمان صادر ہوتا ہے۔ سیاسی اہلکار، ارکان حکومت اور میڈیا کے افراد کے مابین وہ دھینگا مشتی مچی ہے کہ اس سے پہلے ایسے مناظر دیکھنے کو نہیں ملے، اور احتجاج کی رسم وراہ جو تیسری دنیا کے لوگوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے وہ سب کچھ امریکی ہوائی اڈوں اور سرکاری آفسوں کے سامنے دیکھنے کو بھی ملا ہے۔ بہر کیف اس سرگزشت سے ایک بات کھل کر سامنے آئی ہے، وہ یہ کہ آج تک دنیا کا سب سے طاقت ور شخص وہ مانا جاتا تھا جس کی رسائی وہائٹ ہاؤس کے مسند اقتدار تک ہو جاتی ہے، لیکن قوت واقتدار کا یہ طلسم اُس وقت ٹوٹ گیا جب سات مسلم ممالک کے شہریوں کو نوے دن کے لیے امریکہ آنے پر پابندی کا صدارتی فرمان صادر ہوا اور اس کے بعد امریکی ہوائی اڈوں پر سراپا احتجاج عوام کا جو ہجوم امڈ پڑا اس کے زیر اثر وفاقی کورٹ کے جج نے اس فرمان کو کالعدم قرار دیدیا، اور نئے امریکی صدر کے صدارتی حکم کے باوجود ہوائی کمپنیاں ان سات ممالک کے شہریوں کو امریکہ لانے لگ گئیں، اور امریکی صدر ایک حریف کی صورت بس اس پر تنقید کرتے رہے۔

خیر اس پر تبصرہ پھر کبھی، فی الحال ہم اپنے قارئین کی بارگاہ میں ایک خوش گوار خبر لے کر آئے ہیں۔ وہ یہ کہ ڈونالڈ ٹرمپ صدارت کا حلف لینے کے دوسرے دن جب سات مسلم ممالک کے مسافروں پر امریکہ آمد پر پابندی کا حکم نامہ جاری کر رہے تھے ٹھیک اسی دن ہیوسٹن کے النور انسٹی ٹیوٹ (دارالعلوم) میں چار امریکی طالب علم کے سروں پر دستار فضیلت باندھی جا رہی تھی۔ یہ واقعہ امریکہ کی اسلامی تاریخ کا اہم واقعہ ہے جب یہاں درس نظامی کے نصاب پر علما کی پہلی ٹیم تیار کی گئی ہے۔ راقم الحروف کے لیے یہ واقعہ اس لیے زیادہ اہم ہے کہ ہمارے اس سفر کا مقصد یہی تھا کہ یہاں درس نظامی کو فروغ دیا جائے۔

۲۰۱۲ء میں جب امریکہ آمد ہوئی اور اس کام کا آغاز کیا گیا اس وقت کیا منصوبہ تیار کیا گیا اور اس کے لیے کیا کچھ حکمت عملی اپنائی گئی اور کیا کیا رکاوٹیں سامنے آئیں؟ ان سب کی پوری داستان ہے جو ہم کسی اور موقع کے لیے اٹھا رکھتے ہیں، لیکن جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ انت بھلا تو سب بھلا، بالآخر ہماری کوششیں رنگ لائیں اور پچاس سے زائد طلبہ ہمارے ساتھ تعلیمی سرگرمیوں میں پورے ذوق وشوق کے ساتھ منسلک ہو چکے ہیں۔

دراصل مغربی ممالک میں درس نظامی کے امکانات بڑے محدود ہیں، اسی لیے جو علما ان ممالک میں آئے ان کی خدمات دعوت وتبلیغ اور امامت وخطابت تک محدود رہیں، تدریس کا سلسلہ نہ بن پایا تھا، کیوں کہ سرمایہ دارانہ نظام نے ہر شخص کو عصری تعلیم اور دولت کمانے میں مصروف کر دیا ہے۔ جتنے مسلمان اسی ماحول میں رنگ گئے ان کی مذہبی زندگی بس جمعہ اور عیدین کی نماز تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے، اور جو لوگ دینی مزاج رکھتے ہیں وہ باقاعدہ مسجدوں سے ربط وتعلق رکھتے ہیں، ان کے لیے ہفتہ وار درس قرآن ودرس حدیث کا بھی اہتمام ہوتا ہے، یہ لوگ جمعہ کی تقریر بہت شوق سے سنتے ہیں، ان کے لیے دینی تعلیم وتربیت کا ذریعہ یہی خطابات اور دروس ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت مختصر ہوتی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان ممالک میں درس نظامی اور عالم کورس کے لیے باقاعدہ درسگاہی نظام کی کتنی گنجائش ہوگی، اور اس کے لیے ان کی زبان اور ان کے اسلوب میں پڑھانے والے استاذ کہاں سے آئیں گے؟ اور پڑھنے والے طلبہ کہاں سے دستیاب ہوں گے؟ اسکول کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد جو لوگ تعلیمی سلسلہ جاری رکھنا چاہتے ہیں وہ پروفیشنل کورسز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، دینی تعلیم حاصل کرنے سے ان کو دنیا کمانے کے امکانات نظر نہیں آتے ، اس لیے ابھی ادھر توجہ نہیں ہو پا رہی ہے۔

ایسے ماحول میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر کہیں کوئی ایسا نظم جاری ہوا ہو تو اس کو کن حالات کا سامنا ہوگا۔ اس تناظر میں اپنی داستان سنانے کی بجائے اس سلسلے کی ایک کوشش اور اس کے نتائج پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ طلبہ اور اساتذہ کے سامنے یہ فارمیٹ بھی آجائے جو آزمایا جا چکا ہے، اور بڑے شہروں میں حسب ضرورت اس کو نافذ بھی کیا جا سکے۔

شمالی امریکہ کے چوتھے مرکزی شہر ہیوسٹن کی مرکزی مسجد النور مسجد جہاں مفتی محمد قمر الحسن بستوی گزشتہ پچیس سال سے دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، یہاں کے ذمہ داروں نے حالات اور بدلتے ہوئے تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے عالم کورس شروع کرنے کا منصوبہ بنایا، اس کے لیے ان کے پاس وسیع وعریض جگہ بھی تھی اس لیے ان حضرات نے ناچیز کو 2012 میں اس خدمت کے لیے مدعو کیا، اکتوبر کی آخری تاریخوں میں جب میں پہنچا تو انتظامیہ نے ملکی حالات اور مسلمانوں کی ضرورت کے مطابق تین سالہ ایسا عالم کورس ترتیب دینے کو کہا جس کو پڑھ لینے کے بعد ایک شخص خطابت وامامت کے ساتھ ساتھ ایک ذمہ دار عالم دین کی حیثیت سے دینی خدمات انجام دے سکے۔ لیکن تدریس کی زبان انگلش ہوگی۔ یہ ایک بہت بڑا چیلنج تھا لیکن ہم نے اسے قبول کیا، اس کے امکانات ہمیں اس لیے نظر آرہے تھے کہ یہاں کے طلبہ ہوشیار ذہین اور لازمی طور پر عصری درسگاہوں کے تعلیم یافتہ تھے، نحو وصرف اور عربی ادب سکھانے میں جو دو تین سال لگ جاتے ہیں ہم امید کر سکتے تھے کہ ان طلبہ کو چند ماہ میں ان فنون پر کنٹرول دیا جا سکتا ہے۔ اور عربی زبان پر کنٹرول حاصل ہونے کے بعد باقی فنی کتب کو بس سمجھانے کا کام رہ جاتا ہے۔ دوسری تکنیک یہ لگائی کہ ان تین سالوں کے دوران ان طلبہ سے گھنٹوں کے اعتبار سے اتنا وقت لیا جائے جتنا وقت ہمارے ملکوں میں تعلیم وتعلم پر پانچ چھ سال میں صرف کیا جاتا ہے۔ یعنی ہر روز چھ سے سات گھنٹے تعلیمی وقت، رمضان میں تعلیم جاری رکھی جائے۔ امتحان کی تیاری کا وقفہ نہ دیا جائے بلکہ ہر کتاب کی تکمیل پر اسی وقت امتحان لے لیا جائے، وغیرہ۔ اس کے بعد ہم نے اس کا نصاب تیار کیا اور اس کی کامیابی کے لیے چند شرطیں رکھیں:

(۱) طالب علم ہائی اسکول یا اس کے مساوی نصاب کا گریجویٹ ہو یعنی انگلش لکھنا پڑھنا خوب اچھی طرح جانتا ہو۔

(۲) قرآن پاک دیکھ کر روانی کے ساتھ پڑھ سکتا ہو۔

(۳) تین سالوں میں امتحان کی تیاری کا کوئی وقفہ اور بڑی چھٹیاں نہیں ہوں گی۔

(۴) طلبہ کی حاضری سو فیصد لازمی ہوگی۔

ان شرطوں نے ان پر واضح کردیا کہ ہم اس کام کو ایک چیلنج کے طور پر لینے کے لیے تیار تھے۔ ہم نے واضح کردیا یہ شرطیں پہلے batch کے لیے ہیں، جن کو آئندہ تدریس کے لیے تیار کرنے کا ارادہ تھا۔ نصاب کی تیاری بھی بڑا مرحلہ تھا کہ کون سی کتابیں رکھیں کون سی نکالیں۔ ہر کتاب اپنی جگہ اہم تھی، چند روزہ کوششوں کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ نحو وصرف منطق وفلسفہ وغیرہ علوم آلی کی کئی کتابیں کم کیں تو دوسری کئی کتابوں کا اضافہ کرنا پڑا، مثلاً عقیدہ کے لیے شرح عقائد پر اکتفا کرنے کی بجائے اور کتابیں بھی پڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی، لہٰذا ہم نے المعتقد المنتقد، المستند المعتمد، البدایہ فی اصول الدین، اور شفا للقاضی عیاض کے آخری ابواب داخل کردیے۔ یوں ہی اصول فقہ میں تو مروجہ کتابیں ہی پڑھائیں لیکن فقہ واصول حدیث کے لیے کتابیں بڑھانی پڑیں۔

عرض یہ کرنا ہے کہ عصری تعلیم یافتہ طلبہ کی جو چھوٹی سی ٹیم ملی اور ان کو منہاج العربیہ سے بخاری شریف تک پڑھانے کا بڑا خوش گوار تجربہ رہا اس سے اندازہ ہوا کہ اگر طریق تعلیم میں تھوڑی سی تبدیلی لائی جائے تو کم وقت میں تعلیم کے بہت سارے مرحلے طے کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً، کتاب سے زیادہ فن کو اہمیت دی جائے، ہر روز زیادہ کتابوں اور فنون پر تھوڑا تھوڑا وقت لگانے کی جگہ دو تین کتابوں پر زیادہ وقت لگادیا جائے، اس سے وہ فن یا کتاب جلد تکمیل تک پہنچتی ہے اور خوب تفصیل وتشریح میسر آنے کے سبب طلبہ کو بحثیں خوب راسخ ہوجاتی ہیں۔

اس کورس کے چار سال مکمل ہونے کے بعد فارغ ہونے والے طلبہ کے لیے دستار بندی کا شاندار پروگرام رکھا گیا، جس کے لیے ۲۱؍جنوری کی تاریخ طے کی گئی۔ طلبہ میں اس پروگرام کے لیے بڑا جوش وخروش تھا۔ اور ارکان ادارہ نے بھی اس کے لیے بھرپور انتظامات کیے، فراغت کے اس پہلے پروگرام کے لیے فارغین کے وہ تحریری کام جو انھوں نے دوران درس مختلف موضوعات پر تیار کیے تھے ان کو کتابی شکل میں شائع بھی کیا گیا، جس سے مہمان علمائے کرام نے بھی ان فارغین کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا، اس پروگرام کو ہم نے اس طرح ترتیب دیا کہ یہاں کے لوگوں کے لیے اسے درس نظامی کا ایک تعارفی کنونشن بنادیا جائے، جس سے لوگوں کو اندازہ ہو کہ عالم کورس میں طلبہ کون کون سے فن اور کتابیں پڑھتے ہیں؟ اور تعلیم کس معیار کی ہوتی ہے؟ اس کے لیے تمام طلبہ نے مختلف موضوعات اور فنون پر اپنا اپنا تحریری نمونہ انگلش زبان میں بڑے سلیقے سے تیار کیا جس کی نمائش کی گئی، جسے دیکھ کر لوگ خوب محظوظ ہوئے اور اس کی تصویریں فیس بک اور سوشل میڈیا پر عام کی گئیں۔ جلسے میں مہمان علمائے کرام کے علاوہ علاقے کے تمام علمائے کرام شریک تھے، دینی پروگراموں کا رواج تو یہاں عام ہے، لیکن لوگوں نے اتنے علمائے کرام ایک اسٹیج پر پہلی بار دیکھے تھے، ہندوستان سے شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت مفتی بہاء المصطفیٰ قبلہ قادری تشریف لائے تھے، پاکستان سے مفتی منیب الرحمن صاحب اور انگلینڈ سے مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی شریک تھے۔ پروگرام میں پہلے اساتذہ کی دستار بندی کرائی گئی پھر فارغین کی دستار بندی ہوئی۔ دستار بندی کے بعد چاروں فارغین کی چار کتابیں علمائے کرام اور سامعین کے مابین تقسیم کی گئیں۔ اس طرح کا پروگرام دیکھ کر یہاں کے لوگوں میں نیا احساس جاگا ہے، اور بڑی خود اعتمادی پیدا ہوئی ہے، اور امید ہوگئی ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہا تو مستقبل میں اس خطے میں اس نئی نسل کے ذریعہ دین کا بڑا کام ہوسکے گا۔ السعی منا والاتمام من اللہ۔

۱۵؍فروری ۲۰۱۷ء

درس حدیث

گیارہویں قسط

مشکل احادیث اوران کاحل

از: مولانا کوثر امام قادری، مہراج گنج

کھائی قرآں نے عمرو بقا کی قسم

{عن انس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیس بالطویل البائن ولابالقصیر ولیس بالابیض الامھق ولا بالآدم ولابالجعد القطط ولابالسبط بعثہ اللّٰہ علی راس اربعین سنۃ فاقام بمکۃ عشرسنین وبالمدینۃ عشر سنین وتوفاہ اللّٰہ علی راس ستین سنۃ ولیس فی راسہ ولحیتہ عشرون شعرۃ بیضاء} حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ دراز قد نہ تھے اور نہ پست قد تھے، نہ بالکل سفید رنگ تھا اور نہ بالکل گندمی، نہ سخت گھنگریالے بال تھے، نہ بالکل سیدھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا۔ آپ دس سال مکہ معظّمہ میں رہے، اور دس سال مدینہ منورہ میں۔ ساٹھ سال کی عمر میں آپ نے وصال فرمایا، اور آپ کے سر اور داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔ (مسلم باب قدر عمرہ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ساٹھ سال تھی جبکہ حسب ذیل روایت اس کے خلاف ہے۔

{عن عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنہ قال ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم توفی وھوابن خمس وستین} حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس وقت وصال ہوا، اس وقت آپ کی عمر پینسٹھ سال تھی۔ (مسلم باب قدر عمرہ)

{عن انس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ قال قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھوابن ثلاث وستین وابوبکر وھوابن ثلاث وستین وعمر وھوابن ثلاث وستین} حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترسٹھ سال کی عمر میں وصال کیا، حضرت ابوبکر نے بھی ترسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور حضرت عمر کا بھی ترسٹھ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ (مسلم باب قدر عمرہ)

{عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکث بمکۃ ثلاث عشر وتوفی وھوابن ثلاث وستین} حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ

میں تیرہ سال رہے اور جس وقت آپ کی وفات ہوئی، آپ کی عمر ترسٹھ سال تھی۔ (مسلم باب قدر عمرہ)

حل اشکال

امام نووی فرماتے ہیں: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اور آپ کے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں قیام کے متعلق تین روایات ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کی عمر ساٹھ سال ہے، دوسری یہ کہ آپ کی عمر پینسٹھ سال ہے اور تیسری یہ کہ آپ کی عمر ترسٹھ سال ہے، اور یہی زیادہ صحیح اور مشہور روایت ہے۔ امام مسلم نے یہ روایات حضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھم سے روایت کی ہے۔ علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ زیادہ صحیح ترسٹھ سال کی روایت ہے، اور باقی روایات کی تاویل کی ہے۔ ساٹھ سال کی روایت میں دہائی کے ذکر پر اقتصار کیا گیا ہے اور کسر کو ترک کر دیا ہے اور پینسٹھ سال والی روایت میں بھی تاویل ہے اور اس میں اشتباہ ہے۔ عروہ نے حضرت ابن عباس کی اس روایت کا انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ پینسٹھ والا قول غلط ہے۔ حضرت ابن عباس نے نبوت کا ابتدائی زمانہ نہیں پایا اور نہ دوسروں کی بنسبت ان کو زیادہ صحبت میسر آئی۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نبوت کے بعد حضرت سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور اعلان نبوت سے پہلے مکہ مکرمہ میں چالس سال رہے۔ البتہ اعلان نبوت کے بعد مکہ شریف میں اقامت کرنے کے متعلق اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس دوران آپ مکہ میں تیرہ سال رہے، اور آپ کی عمر ترسٹھ سال ہے۔ ہم نے جو چالس سال کے بعد اعلان نبوت کا ذکر کیا ہے، یہی صحیح قول ہے، جس پر تمام علما کا اتفاق ہے۔

قاضی عیاض نے حضرت ابن عباس اور سعید بن مسیب کے حوالے سے ایک روایت شاذہ ذکر کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تینتالس سال کی عمر میں اعلان نبوت کیا، حالانکہ صحیح چالس سال کی روایت ہے جیسا کہ گذر چکا۔

صحیح اور مشہور قول کے مطابق آپ کی ولادت اس سال ہوئی، جس سال ہاتھیوں والا واقعہ ہوا تھا، ایک قول یہ ہے کہ اس کے تیس سال بعد ولادت ہوئی، اور ایک قول چالس سال کا ہے۔

قاضی عیاض نے سال فیل میں ولادت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، اس پر اتفاق ہے کہ ربیع الاول کے مہینہ میں پیر کے دن آپ کی ولادت ہوئی۔ البتہ تاریخ میں اختلاف ہے کہ دوسری تاریخ تھی، آٹھویں تاریخ تھی، دسویں تاریخ تھی یا بارہویں تاریخ تھی اور وفات کی تاریخ بارہ تھی اور وقت چاشت کا تھا۔ (شرح مسلم نووی جلد ۲ ص ۲۶۰)

ریش مبارک اور نورانی خضاب

{عن محمد بن سیرین قال سألت انسًا اخضب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال لم یبلغ الشیب الا قلیلًا} حضرت ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب لگایا تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت کم بال، سفید ہونے کو پہنچے تھے۔ (بخاری جلد ۲/ ۸۷۵)

اس حدیث پاک سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بال شریف میں خضاب نہیں لگایا، کیونکہ آپ کے بال بہت ہی کم سفید ہوئے تھے، جس کے سبب خضاب کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی، جبکہ دوسری روایت اس کے برخلاف ہے۔

{عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یلبس النعال السبتیۃ

ویصفر لحته بالورس والزعفران وکان ابن عمر یفعل ذلک} حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر بالوں کے چمڑے کی جوتی پہنتے تھے، اور اپنی داڑھی کو سرخ اور زرد رنگ سے رنگتے تھے ۔حضرت ابن عمر بھی ایسا کرتے تھے۔(بخاری جلد ۲/ ۸۷۰)

حل اشکال

مذکورہ دونوں حدیثوں میں موافقت کے سلسلے میں امام نووی فرماتے ہیں: مختار یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات میں بالوں کو رنگا، اور اکثر اوقات میں رنگنے کو ترک فرمایا، تو اس شخص نے اپنے مشاہدہ کے مطابق بیان کیا اور یہ تاویل حکماً متعین ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالوں کو زرد رنگ سے رنگنے کی جو روایت ہے، اس کو ترک کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی تاویل ممکن ہے۔(شرح مسلم جلد ۲/ ۲۵۹)

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خضاب لگانے کی حاجت نہ تھی، اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے منافی نہیں ہے کہ انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زرد رنگ کا خضاب لگائے ہوے دیکھا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات اپنے سفید بالوں پر خضاب لگایا اور اکثر اوقات خضاب نہیں لگایا، لہٰذا ہر شخص نے اپنے مشاہدے کے مطابق روایت کی اور ہر ایک اپنے قول میں صادق ہے۔(مرقات جلد ۸/ ۳۰۵)

بقیہ صفحہ 54 کا: اشرف العلما مفتی اشرف القادری کی رحلت ملت کیلئے عظیم سانحہ

آپ ایک شیخ کامل ہونے کی حیثیت سے بے شمار مسترشدین کیلئے مرجع عقیدت، اور باکمال مدرس ہونے کی حیثیت سے ہزاروں کی تعداد میں علما فقہا کے استاد، تصنیف و تالیف کے میدان کے ایک عظیم قلمکار تھے، اخلاق و کردار میں پوری زندگی دوسروں کیلئے نمونہ عمل رہی، ہر طرح کے اختلافی معاملات سے پہلوتہی کیئے رہتے، اپنے معاصر میں اپنی اعلی خدمات کے سبب ممتاز اور فائق تھے، آپکی زندگی کی نادر اور قیمتی تصنیفی خدمات سلسلہ تیغیہ میں آپ کی ذات کیلئے ہی مختص تھی، اپنے شیخ صوفی نمازی علیہ الرحمہ کی زندگی کو طریقت کے میدان میں اپنے لئے مشعل راہ بنایا اور خانقاہ تیغیہ ''نینھی'' سے علمی و روحانی فیوض و برکات سے کثیر لوگوں کو سیراب کیا۔

سفر آخرت: زندگی کے اخیر ایام میں کئی ماہ بستر علالت پہ رہے، علاج و معالجہ جاری رہا لیکن وصال حبیب یار کا وقت آچکا تھا، کیلا اور بالآخر علم و عمل کا یہ کوہ گراں، اپنی بے شمار انقلابی، تصنیفی، علمی یادوں کو چھوڑ کر، بمطابق ۲۶/ ربیع الغوث ۱۴۳۸ھ بمطابق ۲۵/ جنوری ۲۰۱۷ء کو لقاء حبیب یار کیلئے عازم سفر ہوا، آخری آرامگاہ ''نینھی'' ہی میں واقع ہے نماز جنازہ میں کثیر تعداد میں علما، فقہا، صوفیا، شیوخ، اور عوام الناس نے شرکت کی، جنازہ کی اتنی بھیڑ اس قرب جوار والوں نے آج تک نہیں دیکھی تھی، مجمع کی کثرت سے عوام و خواص انگشت بدنداں تھے، آپکے لائق و فائق شہزادہ خلف اکبر مولانا صدر عالم تیغی نے نماز جنازہ پڑھائی، پھر آپکے اس آبائی گاؤں میں سپرد خاک کیا گیا، آپ کی رحلت ملت اسلامیہ کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے جس سے پوری ملت غم و اندوہ کے ماحول میں ہے، ہر آنکھ نم ہے کیوں کہ قوم نے اپنے ایک بہت بڑے رہنما کو کھو دیا ہے جس کی کمی ایک زمانے تک کھلتی رہے گی۔

از: محمد ارشد رضا قمر اخلاقی امجدی

استاد جامعہ سعدیہ عربیہ، کیرلا/ خانقاہ قادریہ تیغیہ اخلاقیہ، سیتامڑھی، بہار

دوسری قسط

ایک مجلس میں تین طلاق ایک؟

قائلین کے دلائل کا علمی جائزہ

مولانا ازہار احمد امجدی ازہری

ان منفردین کی مستدل ایک حدیث اور ہے، جس کے ذریعہ اپنی رائے کی صفائی دیتے اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں، حالانکہ یہ حدیث بھی حقیقت میں ان کے موافق نہیں بلکہ ان کے مخالف ہے، قارئین کرام آنے والی سطور میں اس کے متعلق بھی علمی گفتگو ملاحظہ فرمائیں:

چوتھی حدیث:

مخالفین نے اُس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں دو طریق سے عبد اللّٰہ بن طاؤس عن أبیه عن ابن عباس اور تیسرے طریق سے إبراہیم بن میسرۃ عن طاؤس عن ابن عباس روایت کی ہے، پہلے طریق میں امام مسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی، آپ فرماتے ہیں: ((رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سال میں تین طلاق ایک ہی طلاق تھی)) پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک لوگوں نے طلاق کے معاملہ جس میں انہیں مہلت دی گئی تھی، جلدی کی؛ تو اگر ہم ان کی جلد بازی کو ان پر نافذ کر دیتے؟ پھر ان پر نافذ کر دیا (صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، رقم: ۱۴۷۲)

اور دوسرے طریق میں ہے کہ حضرت طاؤس رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

کیا آپ جانتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی تین سال میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ((ہاں)) (صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، رقم: ۱۴۷۲)

اور تیسرے طریق میں طاؤس سے مروی ہے کہ ابو صہبا نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا:

اپنی مستغرب بات حاضر کریئے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاق ایک طلاق نہ تھی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایسا ہی تھا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس معاملہ کی کثرت ہوئی؛ تو آپ نے ان پر تین طلاق کو نافذ کر دیا (صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، رقم: ۱۴۷۲)

اور سنن أبی داؤد میں طاؤس سے مروی ہے:

حضرت ابوصہبا رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کثرت سے سوال کرتے تھے، آپ نے ان سے عرض کیا: کیا آپ نہیں جانتے کہ مرد اگر اپنی عورت کو دخول سے پہلے تین طلاق دے دیتا؛ تو لوگ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ایک ہی طلاق قرار دیتے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((کیوں نہیں، جب مرد اپنی عورت کو دخول سے پہلے تین طلاق دے دیتا؛ تو لوگ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ایک ہی طلاق قرار دیتے، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے اندر تین طلاق کی کثرت دیکھی؛ تو آپ نے حاضرین سے فرمایا: تینوں طلاقوں کو لوگوں پر نافذ کردیں)) (سنن أبی داؤد، کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلاثة، رقم: ۲۱۹۹)

مخالفین نے اس حدیث کا یہ معنی سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہوتے ہوئے، آپ کے حکم سے آپ کے زمانہ میں تین طلاق کو ایک ہی طلاق قرار دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا اور یہ حکم منسوخ بھی نہیں ہوا، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ابتدائی حکومت میں تھا، اور یہی حکم صحابہ کے درمیان مشہور بھی تھا، ان میں سے کچھ لوگ اسی کے مطابق فتوی دیتے، کچھ لوگ اسی فتوی کا اعتبار کرتے اور کچھ لوگوں نے سکوت اختیار کیا، یہاں تک کہ اسی پر اجماع قائم ہوگیا، ایسا ہی ابن قیم اور ان کے شیخ نے بیان کیا ہے، پھر دو یا تین سال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مشہورہ اور اجماع کی مخالفت کی اور اللہ تعالی کے دین کو اپنی رائے کے ذریعہ بے کار کیا اور خرق اجماع کرکے جرم کیا، اس معاملہ میں ان کے ساتھ جو صحابہ تھے، انہوں نے ان کی موافقت کی، ان میں سے حضرت عثمان، علی، ابن عباس، ابن مسعود، زبیر، ابن عوف رضی اللہ عنہم وغیرہ بہت سارے صحابہ تھے، انہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہیں کی اور اس کا اقرار کیا بلکہ ان لوگوں نے اس مخالف سنت واجماع کے قول کے مطابق فتوی بھی دیا، كبرت كلمة تخرج من أفواههم إن يقولون إلا كذبا۔

یہاں تک کہ شوکانی اور اس کے ماننے والوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہنے کی جرأت کرلی: ''اس مسکین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں کیا مقام ہوسکتا ہے'' نیز اس نے اور اس کے علاوہ دوسرے لوگوں نے کہا: ''بے شک ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا حکم دیا گیا ہے، ہم عمر کی اقتدا کے مامور نہیں'' یہ ایسے کلمات ہیں جو حق تو ہیں مگر ان کا باطل ہی معنی مراد لیا گیا ہے!

آپ ذرا سوچئے کہ جب سب کچھ حضرت عمر اور اصحاب رسول کے ہاتھوں برباد کردیا جائے گا اور یہ سب اس بربادی پر متفق ہوجائیں گے؛ تو پھر کون دین وسنت کا نگہبان اور اجماع کا محافظ ہوگا؟! حالانکہ حضرت عمر وہ ہیں جن کا اسلام لانا دین کے لیے عزت کا باعث تھا، اور آپ کی خلافت راشدہ، اسلام کے لیے فتح ونصرت بن کر آئی تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا کیا ہوگا: ((اے اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ دین متین کی تائید فرما)) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملے کو تین مرتبہ فرمایا (المستدرک رحاکم، ومن مناقب أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، رقم: ۴۴۸۳) نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ

فرمان کس خانے میں جائے گا: ((اے عمر! تم جو راستہ چلو گے شیطان تمہارے راستہ کے علاوہ چلے گا)) (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفۃ إبلیس وجنودہ، رقم: ۳۲۹۴) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے بارے میں کیا کہا جائے گا: ((میرے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرو)) (سنن الترمذی، باب مناقب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، رقم: ۳۸۰۵) اور حضور علیہ افضل الصلاۃ والسلام کے اس قول کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے گی: ((میری امت میں اگر ایسے لوگ ہوں جن کو اللہ تعالی حق بات القا کرے؛ تو ان میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں)) (الشریعۃ/آجری، باب ذکر قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: قد یکون فی الأمم۔۔۔، رقم: ۱۳۶۵) یہاں شرط پر تعلیق جواب کی تاکید کے لیے ہے، قائل کے اس قول کی طرح: "إن کان شيء فإن الأمر کذا" کیوں کہ یہ محقق پر تعلیق ہے، جو معلق کے حصول کے لیے مزید مؤکد ہوتا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کس درجہ میں رکھا جائے گا: ((بے شک اللہ تعالی نے حق کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور قلب کے مطابق بنایا)) (سنن الترمذی، باب فی مناقب أبی حفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، باب، رقم: ۳۶۸۲)

اس کے علاوہ بہت ساری احادیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب میں صحیح وحسن احادیث وارد ہیں جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا! اور اللہ تعالی کا فضل ہے کہ اس نے اپنے رسول کی دعا قبول فرمائی اور ان کی امید کو پورا کیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور جیسی ان سے امید فرمائی ویسے ہی پائے گئے، جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تاریخ صحیح سے پڑھی ہے، اس نے ان کو بہت محنت ولگن سے سنت نبوی کی جستجو کرنے والا، اس کی اتباع کرنے میں سب سے زیادہ حریص، سنت نبویہ کے بارے میں علم کے بعد رائے زنی سے سب سے زیادہ دور رہنے والا اور اس سے لوگوں دور کرنے والا پایا، چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے:

"بیشک اصحاب رائے یعنی اہل بدعت سنن کے دشمن ہیں، وہ سنن یاد کرنے سے عاجز ہوگئے؛ تو انہوں نے اپنی رائے کو استعمال کیا؛ تو تم ان سے بچ کر رہو" (جامع بیان العلم وفضلہ/ابن عبدالبر، باب ماجاء فی ذم القول فی دین اللہ، رقم: ۲۰۰۳)

اور بہت ایسا ہوتا تھا کہ آپ اپنے اجتہاد کے ذریعہ کوئی رائے قائم کرتے تھے، پھر اس مسئلہ کے متعلق کوئی سنت نبوی مل جاتی؛ تو آپ اپنے قول سے سنت نبویہ کی طرف رجوع فرمالیتے، اور اگر کوئی حادثہ درپیش آجائے جس کے متعلق سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ نہ ہوتی؛ تو آپ اس کی تلاش میں کافی محنت کرتے اور اس کے لیے لوگوں کو جمع کرلیتے اور فرماتے:

"میں اس شخص کو اللہ تعالی کی یاد دلاتا ہوں، جس نے اس مسئلہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ محفوظ کیا، وہ اس کے بارے میں بتادے" (المعجم الکبیر، ج ۴ ص ۸، رقم: ۳۴۸۲) اس پر احادیث محفوظ رکھنے والے، اس کے متعلق حدیث بیان کرتے اور آپ اس کے مطابق فتوی دینے سے عدول نہیں کرتے، کتب السنن، الجوامع اور المسانید کو پڑھنے والا اس کی بہت ساری مثالیں پائے گا جس کو بیان کرنا یہاں اطالت سے خالی نہیں۔

بہرحال اگر معاملہ اس طرح ہوتا جیسا کہ مخالفین نے سمجھا - اور بہت بعید ہے کہ ایسا ہو - تو واضح طور پر لازم آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے پہلے صحیح ودرست بات پر اجماع کیا، پھر دوبارہ اس اجماع سے عدول کرکے دوبارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں خطا پر اجماع کیا! یہ وہی شخص

کہے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب پر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بے خبر ہو، خدا کی قسم یہ رائے بالکل رافضیوں اور زندیقوں کی ہے، خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ وہ لوگ جن کے اندر تھوڑا سا بھی دین کی سمجھ ہے کیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ تصور کرتے ہیں کہ انھوں نے سنت ثابتہ کے ترک پر اجماع کر لیا، اس کے خلاف فتوی دینے لگے، جمہور سلف و خلف ان کی اتباع کرتے رہے اور اس سنت کو زندہ کرنے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے صرف چند مبتدع لوگ ہی ہیں جنہیں با آسانی انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے، جو زیر بحث حدیث کے مطابق فتوی دے کر چھپنے کی کوشش کرتے ہیں! **سبحانک ھذا بھتان عظیم۔**

اور جب ان مبتدعین کے بعض حاذق لوگ اس تنگی میں پڑنے اور اس میں پھنسنے پر متنبہ ہوئے؛ تو امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے لیے عذر گڑھنے لگے اور کہنے لگے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ بطور اجتہاد تھا، جو ان کے لیے جائز تھا اور تعزیر کے طور پر تھا، جو امام کا حق ہے، یہ کلام صرف کہنے والے کی سفاہت یا یہ قائل جس سے بیان کر رہا ہے، اس سے استہزا کرنے پر دلالت کرتا ہے، آپ ہی سوچئے، کیا اجتہاد و سیاست کے طور پر نص و اجماع کی مخالفت جائز ہے؟! بہر کیف ہم ان کی سفاہت و سخافت کو یہیں چھوڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے کافی ہے اور بے جا جھگڑا کرنے والوں کا حساب لینے والا ہے۔

اب ہم اس زیر بحث حدیث کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ان علما کی طرف رجوع کرتے ہیں جنہوں نے کتاب وسنت کی روشنی میں اس حدیث کی صحیح توضیح فرمائی، ان علما کا اس حدیث کے متعلق متعدد جوابات ہیں جو مطولات میں تفصیل سے مذکور ہیں، ان میں سے امام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے 'فتح الباری' میں آٹھ جوابات ذکر کئے ہیں، اور ان کو علامہ خضر جکنی شنقیطی اور ان کے علاوہ بہت سارے لوگوں نے اس بدعت کا رد کرتے ہوئے، ان جوابات کا ذکر کیا ہے، میں ان سب کا ذکر کر کے طول نہیں دینا چاہتا، میرا مقصد یہاں پر صرف ان میں سے اس جواب کا ذکر کرنا ہے جو قاری کے لیے قبول حق میں زیادہ دخیل ہو، ظہور کے قریب تر ہو اور غموض سے دور ہو، یہ وہی جواب ہے جس کی طرف مولانا امام ابو عبداللہ شافعی رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے، اس کی توضیح ملاحظہ فرمائیں:

امام طاؤس اور ابوصہبا کا زمانہ علم جمع کرنے، اس کے متعلق سوال کرنے اور اس کے طلب کرنے کا زمانہ تھا، خاص طور سے اس حال میں کہ یہ دونوں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اصحاب میں سے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جسم و جان سے لگ کر علم دین کے حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے، آپ نے تھوڑے دنوں میں کتاب وسنت کے وہ علوم حاصل کر لیے جسے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ بہت زیادہ دنوں میں بھی حاصل نہیں کر سکے، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں ان کی کم عمری کے باوجود مقدم رکھتے اور انہیں اپنے مہاجر و انصار کے شیوخ کی خاص مجلس میں بیٹھاتے، ان کے متعلق علم کے بارے میں بہت سارے قصے مشہور ہیں، جو ان کے علم و فضل پر شاہد عدل ہیں، اس اعتبار سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علم سے سیراب ہونے والے جیسے حضرت طاؤس اور ابوصہبا وغیرہ کے پاس ایسا علم ہوگا جس کا وہ اپنے علاوہ پر مخفی ہونا مستغرب سمجھ سکتے ہیں، بہر حال اس زمانہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے معلوم و مشہور تھا کہ صدر اسلام میں طلاق و رجعت کی کوئی مدت معینہ نہیں تھی اور یہ بھی معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے صدر اسلام کے اس حکم کو سورہ بقرہ کی دو آیتوں سے منسوخ کر دیا، وہ آیتیں یہ ہیں:

{الطلاق مرتان فامساک بمعروف أو تسریح باحسان} (البقرۃ:۲،آیت:۲۲۹) ترجمہ:((یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے))(کنز الایمان){فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنكح زوجا غيره} (البقرۃ:۲، آیت:۲۳۰) ترجمہ:((پھر اگر اسے تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے)) (کنز الایمان) اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کتاب کا مقتضی ہے، اس کو بیان کر دیا کہ تین طلاق ایک ساتھ یا الگ الگ دینے میں کوئی تفریق نہیں، دونوں کا حکم ایک ہی ہے کہ تین طلاق شدہ عورت شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ کسی دوسری عورت سے نکاح کرلے اور یہی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مشہور ہے۔

اسی زمانہ میں حضرت طاؤس اور ابوصہبا کو یہ معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں ناسخ کا علم نہیں ہوسکا؛ جس کی وجہ سے وہ منسوخ پر عمل کر کے مجموعی تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیتے رہے- پورے طور سے ناسخ کی شہرت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں ہوئی، آپ ہی نے اس ناسخ کے اظہار میں کافی مبالغہ سے کام لیا اور لوگوں کو سنت پر عمل کرنے کی رغبت دلائی، یعنی تین طلاق خواہ ایک ساتھ ہو یا الگ الگ ان کا تین طلاق ہونا یہی سنت ہے، آپ کی اس کوشش کی وجہ سے جاہل کو علم ہو گیا اور غافل کو ہوش آ گیا- تو ان دونوں حضرات نے- اس مسئلہ یعنی ناسخ کا ان کے نزدیک مشہور ہونے کی وجہ سے مستبعد جانا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانہ میں ناسخ کا حکم مخفی رہ گیا ہو- اپنے استاذ محترم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، اس بات کا خلاصہ کرنے کے لیے دریافت کیا؛ اسی وجہ سے روایت کے طریق ثانیہ میں واقعہ کا سیاق یہ تھا کہ حضرت طاؤس رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا: کیا آپ جانتے ہیں۔۔۔۔۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ((ہاں)) اور تیسرے طریق میں ہے کہ ابوصہبا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: ''ہمیں اپنی خبر مستغرب کو بیان کیجئے''۔

اور جب معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا؛ تو اب زیر بحث خبر زیادہ کلام کی محتاج نہیں؛ کیوں کہ جواب، سوال اور سائلین کے اعتبار سے ہوتا ہے، سوال کرنے والے مسئلہ ناسخ و منسوخ کو جانتے تھے، جس کے بارے میں انہوں نے سوال کیا، وہ یہی تھا کہ کیا کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ناسخ سے جاہل رہ گئے اور منسوخ پر عمل کرتے رہے؟! اور حال یہ ہے کہ ناسخ قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے، نسخ کرنے والی احادیث کثیرہ پڑھی جاتی ہیں! اور شاید وہ اپنے شیخ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نسخ کرنے والی احادیث میں سے بہت ساری سن چکے تھے؛ اس وجہ سے حضرت طاؤس رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا:

کیا آپ جانتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی تین سال میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا؟۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صرف اتنا کہا: ((ہاں)) کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ سائل ایسی چیز کے بارے میں پوچھ رہا ہے جس کو وہ بعید سمجھتا ہے اور وہ ایسے لوگوں کا موجود ہونے کے بارے میں ہے جو اس مدت میں منسوخ کے علم سے غافل رہے؛ اسی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں ناسخ کے بارے میں بتانے کی حاجت محسوس نہیں کی؛ اس لیے کہ وہ ابن

عباس رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے ناسخ کے بارے میں جانتے تھے،اس کی نظیر ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر تم سے کوئی شخص پوچھے کہ کیا لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بیت المقدس کی جانب نماز پڑھی ہے؛ تو تم صرف ہاں کہو گے اور پھر منسوخ ہوگیا یہ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرو گے؛ کیوں کہ تم جانتے ہو کہ تمہارا مخاطب منسوخ وناسخ کو جانتا ہے، جو امر محلِ شک تھا وہ یہ ہے کہ منسوخ معمول بہ تھا یا نہیں؛لہذا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول: ((رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سال میں تین طلاق ایک ہی طلاق تھی)) حضرت طاؤس رحمہ اللہ کے سوال کا جواب تھا، جیسا کہ اس کی وضاحت حدیث کا دوسرا طریق پورے طور سے کررہا ہے۔

اور تیسرے طریق میں یہ بات مذکور ہے کہ ایک سائل حضرت ابوصہبا رحمہ اللہ کو بھی حضرت طاؤس رحمہ اللہ کی طرح وضاحت کی حاجت تھی، اور امام مسلم رحمہ اللہ کی اپنی 'صحیح' میں عادت ہے کہ وہ ایک ہی جگہ ایک حدیث کے تمام طرق کو جمع کر دیتے ہیں؛ تاکہ سب روایتیں پڑھنے والے کے لیے واقعہ کو صحیح طریقہ سے سمجھنے کے لیے معاون ثابت ہوسکیں، ایک وجہ مذکور یہ بھی ہے جس کے سبب آپ کی کتاب کو امتیازی حیثیت حاصل ہے، رحمه الله و أجزل عطائه۔

بہرحال اس حدیث سے جو مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے شب و روز علم حاصل کرنے والے دو بڑے عالموں نے ناسخ کے بعض لوگوں سے مخفی رہ جانے کو بعید جانا یہاں تک کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم ناسخ کو پھیلایا اور بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی موافقت کی؛ کیوں کہ ان حضرات کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ناسخ کا علم تھا، اور کیسے اس کا علم نہ ہو جبکہ قرآن کریم میں حکم مذکور کی تلاوت کی جارہی ہے اور اسی سے متعلق مختلف واقعات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا انہوں نے مشاہدہ کیا ہے؟! کیا انہیں واقعات میں سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ نہیں ہے، جس میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اگر میں اپنی عورت کو تین طلاق دے دیتا؛ تو کیا میرے لیے حلال ہوتا کہ میں اس سے رجعت کرلوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((نہیں)) تین طلاق کی وجہ سے تمہاری بیوی تمہارے نکاح سے نکل جاتی اور تمہارا یہ فعل گناہ ہوتا (سنن الدار قطنی، کتاب الطلاق والخلع والإیلاء وغیرہ، رقم: ۳۹۷۴) کیا انہیں میں سے حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کا اپنی عورت کو 'البتۃ' طلاق دینے کا واقعہ نہیں ہے؟ جس کے متعلق صحابہ کرام نے مشاہدہ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی عورت سے رجعت کا حکم نہیں دیا مگر ان سے قسم لینے کے بعد کہ انہوں نے 'البتۃ' سے ایک طلاق مراد لی ہے (سنن أبي داؤد، کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلاث، رقم: ۲۱۹۶) اس میں واضح بیان ہے کہ اگر وہ 'البتۃ' سے تین طلاق مراد لیے ہوتے؛ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے نافذ فرمادیتے اور ان کے لیے رجعت حلال نہ ہوتی۔ کیا انہیں واقعات میں سے یہ واقعہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص پر سخت برہم ہوئے جس کے بارے میں بتایا گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہے بلکہ غصہ سے کھڑے ہوگئے (سنن النسائی، الثلاث المجموعۃ ومافیہ من التغلیظ، رقم: ۳۴۰۱) اور انہیں رجعت کا حکم نہیں دیا جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو رجعت کا حکم دیا جب انہوں نے اپنی عورت کو حیض کی حالت میں ایک طلاق دے دی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس فعل سے ناراض بھی ہوئے تھے، اس کے علاوہ دوسری دلائل بھی ہیں، ان شاء اللہ راقم الحروف عنقریب ان کے متعلق مستقل مقالہ ہدیہ قارئین کرے گا۔ (جاری)

نماز میں رفع یدین کی شرعی حیثیت

مولانا محمد صلاح الدین رضوی

وہابی غیر مقلدین نماز میں رفع یدین یعنی رکوع سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھانے پر بڑا زور دیتے ہیں اور عوام کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارا اہل سنت و جماعت سے بنیادی اختلاف اسی طرح کے اعمال میں ہے، وہ اپنے قول کی تائید میں احادیث طیبہ پیش کرکے عوام سے اپنے مسلک کی حقانیت تسلیم کرانے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ اہل سنت و جماعت اور وہابی غیر مقلد کے درمیان بنیادی اختلاف عقائد کا ہے کہ ان کے پیشواؤں نے اللہ جل جلالہ و حضرت رسول دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کی شان میں گستاخیاں کرکے اسلامی عقائد و نظریات کے خلاف اپنا عقیدہ و نظریہ پیش کیا ہے۔

رفع یدین کا اختلاف ایک تو فرعی مسئلہ ہے، لیکن اس اختلاف کو یہ لوگ اچھالتے رہتے ہیں اس لیے اس اختلاف کی وضاحت ذیل میں درج کی جاتی ہے تا کہ حقانیت واضح ہو جائے۔

وہابی غیر مقلد رفع یدین کے ثبوت میں مندرجہ ذیل احادیث طیبہ کو دلیل بناتے ہیں۔

(۱) امام زہری، سالم سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں مونڈھوں تک اٹھاتے تھے۔ (ترمذی)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو ہاتھ شریف کاندھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر فرماتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی ایسے ہی ہاتھ اٹھاتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

(۳) محمد بن عمر بن عطا سے روایت ہے کہ میں نے ابوحمید ساعدی سے دس صحابہ کی جماعت میں سنا کہ انھوں نے کہا کہ میں تم لوگوں سے زیادہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو جانتا ہوں تو صحابہ کرام نے فرمایا۔ تم ہم سے زیادہ حضور کی نماز سے کیسے واقف ہو گئے؟ نہ تو تم ہم سے زیادہ حضور کے ساتھ رہے، نہ ہم سے پہلے تم صحابی ہوئے، تو ابوحمید بولے بے شک ایسا ہی ہے۔ پھر صحابۂ کرام نے فرمایا اس حدیث کو ظاہر فرماؤ، تاکہ معلوم ہو جائے کہ تم ہم لوگوں سے زیادہ حضور کی نماز کو جانتے ہو تو ابوحمید ساعدی نے کہا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھوں کو کاندھوں تک اٹھاتے اور تکبیر کہتے، قرأت کرنے کے بعد

پھر تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھوں کو اپنے کاندھوں تک اٹھاتے۔ (ابوداؤد)

مذکورہ بالا احادیث طیبہ سے رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ثبوت ہوتا ہے، لیکن فقہ حنفی میں رفع یدین خلاف سنت ہے۔ فقہائے احناف اپنے قول کی تائید میں درج ذیل احادیث مبارکہ کو پیش کرتے ہیں۔

(۱) حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا۔ کیا میں تمہارے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھوں، پس آپ نے نماز پڑھی تو اس میں تکبیر تحریمہ کے سوا کبھی بھی ہاتھ نہ اٹھایا۔ (ترمذی)

امام ترمذی نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث حسن ہے اور رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے علما، صحابہ اور علمائے تابعین کا عمل ہے۔ ابن حزم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور پھر کبھی نہ اٹھاتے تھے (طحاوی) امام ترمذی کے بیان کے مطابق یہ حدیث بھی حسن ہے (حاشیہ طحاوی)

(۳) حضرت اسود سے روایت ہے کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ پہلی تکبیر میں اپنے ہاتھ کو اٹھاتے تھے، پھر کبھی نہیں اٹھاتے تھے۔ (طحاوی شریف)

(۴) حضرت عاصم بن کلیب کے والد سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے، پھر کبھی ہاتھ نہ اٹھاتے تھے (طحاوی شریف)

امام ابن حجر نے کہا کہ اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ امام زیلعی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور عینی نے عمدۃ القاری میں کہا کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (حاشیۂ آثار السنن)

مذکورہ روایات کی روشنی میں یہ حقیقت ثابت ہوجاتی ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح کا عمل ثابت ہے، لیکن رفع یدین ابتدائے اسلام کا عمل تھا جو بعد میں منسوخ ہوگیا، کیونکہ رفع یدین کی کسی بھی حدیث میں یہ ذکر موجود نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل آخری وقت تک رہا، جبکہ دوسری احادیث طیبہ سے یہ بات خوب واضح ہوجاتی ہے کہ حضور سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع یدین کا عمل ابتدائی عہد میں تھا، بعد میں آپ نے اس عمل کو چھوڑ دیا اور آخری وقت تک رفع یدین نہ کرنے پر عمل کرتے رہے۔

(۵) عینی شرح بخاری میں ہے: حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، کیوں کہ یہ وہ کام ہے جو حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کیا تھا، پھر چھوڑ دیا۔

رفع یدین کی حدیث کے ایک راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہیں جیسا کہ ماقبل میں گزرا، لیکن آپ خود رفع یدین نہ کرتے تھے جیسا کہ امام طحاوی اور حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

آثار السنن میں ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے، اور جب راوی کا اپنا عمل اپنی ہی روایت کے خلاف ہو تو اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک بھی منسوخ ہے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ بخاری شریف میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب ''سمع اللّٰہ لمن حمدہ'' کہتے، جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے، جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور اس فعل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب فرماتے تھے، پس اس حدیث پاک سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر

بوقت رکوع ہاتھ اٹھاتے تھے، جبکہ آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ ہاتھ نہ اٹھاتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان سے ہاتھ اٹھانا اور نہ اٹھانا دونوں فعل منقول ہیں تو نسخ کی خبر ملنے سے پہلے آپ ہاتھ اٹھاتے تھے اور نسخ کی خبر ملنے کے بعد ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

رفع یدین کی حدیثیں منسوخ ہیں جیسا کہ حضرت مغیرہ کی اس روایت سے واضح ہوجاتا ہے: میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کیا کہ حضرت وائل نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا کہ حضرت وائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پچاس دفعہ رفع یدین نہ کرتے دیکھا ہے۔ (طحاوی)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت وائل کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت بہت قوی ہے، کیوں کہ وہ صحابہ میں بہت بڑے فقیہ ہونے کے علاوہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اکثر رہنے والے اور نماز میں حضور سے قریب ترین کھڑے ہونے والے تھے۔ اس لیے کہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: تم میں سے مجھ سے قریب وہ رہے، جو علم و عقل والا ہو۔ (طحاوی)

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کردہ حدیث کی فوقیت حضرت ابرہیم نخعی کے ان بیانات سے مزید واضح ہوجاتی ہے ۔آپ ارشاد فرماتے ہیں: وائل بن حجر دیہات کے رہنے والے تھے، وہ اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی نماز پڑھ سکے تھے، جبکہ مجھ سے بے شمار لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی کہ آپ صرف ابتدائے نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس عمل کو وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے تھے اور عبداللہ بن مسعود احکام اسلام سے خبردار، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تحقیقی خبر رکھنے والے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔ (مسند امام اعظم)

حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس روایت کو ان باتوں سے اور بھی تقویت مل جاتی ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع یدین نہ کرنے والی حدیث کو صحابۂ کرام کے مجمع میں بیان فرمایا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع یدین نہ کرنے کی بات اگر صحیح نہ ہوتی اور ان صحابہ کو یہ بات معلوم نہ ہوچکی ہوتی کہ رفع یدین کا حکم منسوخ ہوچکا ہے تو یہ حضرات ضرور حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس روایت کا انکار فرمادیتے، جبکہ ان صحابۂ کرام نے ایسا نہ کیا۔

امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت سے علما صحابہ و تابعین رفع یدین نہ کرتے تھے، اور دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے: میں نے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق و حضرت فاروق کے ساتھ نمازیں پڑھیں، تو یہ حضرات شروع نماز میں پہلی تکبیر کے سوا اور کسی بھی وقت ہاتھ نہ اٹھاتے۔

تو بتایا جائے کہ حکم اگر منسوخ نہ تھا تو ان حضرات نے اسے کیوں چھوڑا؟ عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ رکوع میں رفع یدین نہ ہو، کیوں کہ رکوع کی تکبیر، تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں ہے، بلکہ سجدہ کی تکبیر کی طرح ہے۔ اس لیے کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے اور رکوع و سجدہ کی تکبیریں سنت ہیں، تکبیر تحریمہ نماز میں صرف ایک بار ہوتی ہے، جبکہ رکوع و سجدہ کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں۔ تکبیر تحریمہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے، جبکہ رکوع و سجدہ کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز، تو جب رکوع کی تکبیر، تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں ہے، بلکہ سجدہ کی تکبیر کی طرح ہے تو رکوع کی تکبیر کی وہی کیفیت ہوگی جو سجدہ کی تکبیر کی ہے، پس جس طرح سجدہ کی تکبیر میں ہاتھ نہیں اٹھایا جاتا تو اسی طرح رکوع کی تکبیر میں بھی ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔

پاک وصاف رہنے کی حکمتیں

محمد عارف منظری مداری الازہری

شریعت اسلامیہ کے پیروکار اچھی طرح جانتے ہیں کہ شریعت کا کوئی بھی حکم حکمت سے خالی نہیں ہے۔ایک ایمان والے کی شان یہ ہے کہ جب اس کو کسی امر الٰہی کا علم ہو تو بلا چوں و چرا اور علتوں وحکمتوں میں غور وخوض کے بغیر سر تسلیم خم کردے۔ہمارا خالق ومالک اور مدبر حیات اللہ تعالیٰ ہے۔وہ جو بھی ہمیں حکم دے گا،عین ہماری فطرت کے مطابق ہی ہوگا اور یہ عقیدہ ہمارے تعلق باللہ کی روشن دلیل بھی ہے۔

دیکھنے میں آتا ہے کہ جب ہم کسی ماہر ڈاکٹر پر اعتماد کر لیتے ہیں اور کسی بیماری کے موقع پر وہ ہمارے لیے جو دوائیں تجویز کرتا ہے اور دوا کھانے کا طریقہ اور جن چیزوں سے پرہیز بتاتا ہے،ہم ان دواؤں اور طریقہ کار کی حکمتوں کو جانے بغیر اور پوچھے بغیر اس پر عمل شروع کر دیتے ہیں۔ایک لحہ تامل کئے بغیر اس کے حکم کا نفاذ لازم سمجھتے ہیں اور ذرہ برابر بھی یہ نہیں سوچتے کہ اس نے ہمارے لیے یہی نسخہ اور یہی طریقہ ہی کیوں اخذ کیا ہے؟ اور یہ محض اس بنا پر کہ ہم اس ڈاکٹر پر حد درجہ اعتماد کرتے ہیں کہ وہ جو بتائے گا،اپنی صلاحیتوں اور تجربہ کی روشنی ہی میں بتائے گا،غلط نہیں بتائے گا۔

سبحان اللہ! ایک مومن کا اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کتنا محکم اور مضبوط ہوتا ہے۔یہ تو ایک ایمانی حلاوت کا مزہ چکھنے والا ہی جانتا ہے۔اپنے رب اور کسی شخص وفرد کے مابین مقارنہ یا موازنہ کا تصور وخیال تک اس کے قریب سے کبھی گزر نہیں سکتا کہ معبود وبشر اور خالق ومخلوق کے مابین مقارنہ وموازنہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ جو حیات وممات کا مالک ہے،وہی ہماری حیات وممات کا مدبر حقیقی بھی ہے۔یہ اس بات کا احساس رکھتا ہے کہ اگر ''بقراط'' اور اس کے شاگرد اس طرح کی وصیت کرتے تو اس کے متبعین ضرور سر تسلیم خم کر لیتے اور حسب استطاعت اس کی حکمتوں اور فوائد کو ظاہر کر کے اس کی عظمت کا اعلان کرتے۔یہ جانتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو علم عطا کیا ہے،اس کی نسبت، علم الٰہی کے سامنے سمندر کے ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں ہے،لہٰذا اللہ رب العزت کا کوئی بھی حکم،حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا،اگرچہ ہم انسانوں کو اس کا ادراک نہ ہوسکے۔

شریعت مطہرہ نے جو طہارت وپاکیزگی کا حکم دیا ہے،اس میں بے شمار حکمتیں پنہاں ہیں۔ان شاء اللہ تعالیٰ ہم یہاں اختصار کے ساتھ اس کی تعریف وتقسیم اور حکمتیں قلمبند کریں گے۔

تعریف طہارت: لغت کے اعتبار سے گندگی اور ناپاکی سے بچنا اور پاک صاف رہنا طہارت ہے۔خواہ یہ گندگی حسی ہو جیسے بول

وبراز یا معنوی ہو جیسے گناہ اور معاصی۔
شرعاً: حدث کو دور کرنا اور خبث کو زائل کرنا۔
حدث: حدث ایک معنوی اور غیر محسوس شئ ہے جو بدن سے قائم ہو کر نماز وغیرہ کو ممتنع کر دیتی ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں:
(۱) حدث اصغر: وہ ہے جس کی وجہ سے وضو واجب ہوتا ہے ،جیسے کہ ریاح کا خارج ہونا، بول وبراز کا کرنا وغیرہ۔
حدث اکبر: وہ ہے جس سے غسل واجب ہوتا ہے جیسے جنابت وغیرہ۔
خبث: خبث وہ مادی نجاست ہے جو کپڑا، بدن، یا نماز پڑھنے کی جگہ میں لگ جائے جیسے پیشاب، پاخانہ وغیرہ۔
اب ہم یہاں حکم طہارت کی کچھ حکمتیں آپ حضرات کے نظر نواز کریں گے، ملاحظہ فرمائیں: یہاں طہارت سے میری مراد گندگی و ناپاکی کا ازالہ اور وضوو غسل کرنا ہے۔
(۱) طہارت کا حکم عین اس فطرت کے موافق ہے جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہب اسلام دین فطرت ہے، اسی وجہ سے اسلام ہر اس کام کو کرنے کا حکم دیتا ہے جس سے فطرت کو معراج حاصل ہوتی ہے اور ہر اس کام سے منع کرتا ہے جو فطرت کے منافی ہے۔شاید ایک سلیم الفطرت انسان کے لیے چہرہ کو دھونے، ناک، منھ، ہاتھ ، پیر کو صاف ستھرا رکھنے اور غسل و استنجا کا اہتمام کرنے میں کسی شرعی حکم کے علم کا پابند ہونا ضروری نہیں، وہ فطری طور پر ہی پاک صاف رہنے کو بہتر سمجھتا ہے اور پھر جب اس کو اس بات کا علم ہو جائے کہ اس کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو پھر شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ وہ اپنے ایمان ویقین کے عینک سے اللہ کی حکمتوں کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔
(۲) اسلام طہارت و پاکیزگی اور حسن و جمال کا دین ہے، وہ اپنے متبعین کو عمدہ حالت میں دیکھنا چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کے پیروکار کا بدن پاک وصاف ہو، شعور بیدار ہو، کپڑے طاہر ہوں ،لوگوں کے درمیان خوشبو بکھیرتے ہوئے اپنی پہچان آپ ہو، اس کا بدن یا کپڑا گندہ یا ناپاک نہ ہو کہ جو لوگوں کی تنفری کا سبب بنے بلکہ وہ ایسا پاک وصاف ہو کہ لوگ کشاں کشاں اس کی طرف کھنچتے چلے آئیں اور اس کی ظاہری زندگی کو ہی دیکھ کر آنے والوں کا باطن ایسا صاف ستھرا ہو جائے کہ جو نور ایمان کو قبول کر سکے۔
(۳) اس ترقی یافتہ دور میں جہاں بہت سارے سائنسی انکشافات سامنے آئے ہیں، وہیں ماہرین نے اس بات کو بھی دنیا کے سامنے ظاہر کیا ہے کہ صفائی، ستھرائی انسان کو بہت سی بیماریوں سے دور رکھتی ہے جبکہ گندگی اور ناپاکی بہت سی بیماریوں کا سبب ہے۔پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ مذہب جو عالمگیر مذہب ہے، اپنی تشریعات میں ایک ایسے حکم کو نہ بیان کرتا جو لاتعداد بیماریوں سے بچنے کا ذریعہ ہو اور بے شمار بیماریوں کو پیدا ہونے اور ان کے پھیلنے کو روکتا ہو۔
(۴) ایک مسلمان جب اپنے رب سے مناجات کرتا ہے تو گویا وہ اپنے رب کی ملاقات میں ہوتا ہے اور یہ بات ہر کس و ناکس جانتا ہے اور انسانی مشاہدہ ہے کہ ایک انسان جب بھی کسی بڑی شخصیت کے پاس حاضر ہوتا ہے تو وہ اپنے بدن، کپڑے کی صفائی، ستھرائی کا خاص اہتمام کرتا ہے اور عمدہ قسم کی خوشبو وغیرہ بھی استعمال کرتا ہے اور اسلام میں اس کی کوئی ممانعت بھی نہیں ہے بلکہ یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ایک بندہ کے لیے اس کے معبود سے بڑھ کر اور کون ذات ہو سکتی ہے کہ جب وہ اس کے سامنے حاضر ہو تو اس کا ظاہر و باطن خوب خوب پاک ہو۔رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا {ان اللہ یحب المتطہرین} اللہ تعالیٰ خوب خوب پاکی حاصل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے، لہٰذا اللہ کی ذات زیادہ حق دار ہے کہ لوگ اس کی بارگاہ میں خوب پاک وصاف ہو کر حاضر ہوں۔
(۵) شریعت مطہرہ کا درک رکھنے والا اچھی طرح جانتا ہے کہ اسلام میں جو طہارت کا حکم آیا ہے، اس میں غسل کا حکم جنابت کی صورت میں ہے نہ کہ بول وبراز کی صورت میں اور یہ بھی اچھی

طرح جانتا ہے کہ وضو اور غسل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انزال منی کی صورت میں غسل کو فرض قرار دیا ہے نہ کہ بول وبراز کرنے کی صورت میں اور یہ شریعت اسلامیہ کے عظیم محاسن میں سے ہے کہ یہ حکم رحمت، حکمت اور مصلحت پر مشتمل ہے۔ منی انسان کے تمام بدن سے خروج کرتی ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو ''سلالۃ'' کے نام سے موسوم فرمایا ہے کہ یہ مادہ پورے بدن سے بہتا ہے اور جہاں تک بول وبراز کی بات ہے تو وہ فضلہ طعام وشراب ہے، معدہ اور مثانہ میں جمع ہونے والا مادہ ہے، لہٰذا منی کے خروج کے وقت بدن زیادہ متاثر ہوتا ہے بنسبت بوقت بول وبراز کرنے کے۔

خروج منی کے بعد غسل کرنا، بدن، قلب وروح کے لئے نہایت ہی فائدہ مند ہے، بلکہ وہ تمام چیزیں جو جسم کے قیام وبقا کے لئے ضروری ہیں ان کو تقویت بخشتا ہے اور خروج منی کے سبب جس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے غسل اس کی بھرپائی کر دیتا ہے۔

جنابت کی وجہ سے جسم میں جو عجیب تھکن اور سستی کا احساس ہوتا ہے، غسل اس کو نشاط وخفت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب غسل جنابت فرمایا تو کہا تھا :'' کانما القیت عنی حملا'' گویا کہ میں نے اپنا بوجھ اتار دیا۔

(۶) اسلام میں ظاہر وباطن کے درمیان بڑا گہرا تعلق ہے ۔ اسلام انسان کو ظاہری آلودگیوں سے بچنے اور طیب وطاہر رہنے کا حکم دے کر باطن کا بھی تزکیہ کرنے کا عادی بنانا چاہتا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ جو شخص اپنے بدن اور کپڑوں کو گندگی اور ناپاکی سے دور رکھنے کا پابند ہوگا، وہ ان شاء اللہ ضرور اپنے باطن کو بھی بہتر بنانے کی فکر میں رہے گا۔ ظاہری پاکی باطنی جمال کی علامت ہوتی ہے۔ اسلام محض ظاہری خوبصورتی کو پسند نہیں کرتا، بلکہ وہ ظاہر وباطن دونوں کا تزکیہ وتصفیہ چاہتا ہے۔ انسان کسی عذر شرعی کی بنا پر تجمیل ظاہر سے تو معذور ہوسکتا ہے، لیکن ترک تجمیل باطن سے کبھی معذور نہیں ہوسکتا اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جس نے ان دونوں طہارتوں کو حاصل کیا، وہی محبت الٰہی کا حقدار ہے {ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین} بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور خوب خوب پاکی حاصل کرنے والوں کو محبوب فرماتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب ہم اسلامی تشریعات اور اس کے وسائل وغایات پر غور وفکر کرتے ہیں تو ہم شریعت کے ہر حکم کو حکمتوں سے بھرا ہوا پاتے ہیں اور اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ اگر شرعی احکام ہمیں عطا نہ ہوتے تو ہم جانوروں کی صف میں کھڑے ہوتے، بلکہ شاید جانوروں سے بھی بدتر ہوتے۔ جب ہم صرف شریعت کے ایک حکم ''طہارت'' پر غور کرتے ہیں تو ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ یہ طہارت ہمارے جسم وقلب کے لیے کس قدر منفعت سے لبریز ہے۔ طہارت کے ذریعہ جہاں ہمارے اعضا وجوارح کو نشاط کا حصول ہوتا ہے، وہیں قلب وروح کو فرحت وانبساط بھی حاصل ہوتا ہے۔ طبیعت میں جو گرانی اور بھاری پن پیدا ہوتا ہے، اس میں سکون وراحت کا احساس ہوتا ہے۔ گویا کہ یہ جسم اور قلب وروح کو صاف کرنے کا بہترین آلہ ہے، بالخصوص غسل جنابت کے بعد جو سکون وراحت کا حصول ہوتا ہے اور بدن جس قدر آرام وسکون محسوس کرتا ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔

جب ہم اعضائے وضو پر غور کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان اعضا کا تعلق کسب وعمل سے ہے مثلاً کان، ناک، آنکھ اور منھ جن کا سننے، دیکھنے، بولنے، سونگھنے اور چکھنے سے تعلق ہے اور یہ تمام کے تمام معاصیات اور گناہوں کے دروازے نظر آتے ہیں، جب ہاتھوں کو دیکھتے ہیں تو یہ اشیا کو پکڑنے کا کام انجام دیتے ہیں اور پیر چلنے اور دوڑنے کا کام کرتے ہیں۔ جب ہم سر کو دیکھتے ہیں تو شریعت سر دھونے کی جگہ سر کو مسح کرنے کا حکم دیتی ہے، اس لئے کہ وضو میں سر کو دھونا مشقت کا باعث ہے اور شریعت آسانی عطا

کرنے والی ہے۔حدیث پاک میں ہے کہ بندہ جب اعضائے وضو کو دھوتا ہے تو اللہ تعالیٰ وضو کی برکت سے باطنی گناہوں کی آلودگیوں کو بھی صاف فرما دیتا ہے۔ میرے نزدیک یہ وضو کی سب سے بڑی حکمتوں اور فوائد میں سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے {قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم "اذا توضا العبد المسلم او المومن فغسل وجھہ خرج من وجھہ کل خطیئۃ نظر الیہا بعینیہ مع الماء -او مع آخر قطر الماء -فاذا غسل یدیہ خرج من یدیہ کل خطیئۃ کان بطشتہا یداہ مع الماء -او مع آخر قطر الماء -فاذا غسل رجلیہ خرجت کل خطیئۃ مشتہا رجلاہ مع الماء -او مع آخر قطر الماء حتی یخرج نقیا من الذنوب}

{عن عثمان بن عفان قال:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:من توضا فاحسن الوضوء خرجت خطایاہ من جسدہ حتی تخرج من تحت اظفارہ} (صحیح مسلم)

حکمت طہارت کے بعض منکرین کہتے ہیں کہ اس میں سوائے تکلیف ومشقت کے کچھ اور نہیں۔میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض مان لیا جائے کہ بظاہر وضو اور غسل میں کوئی فائدہ یا حکمت نہیں ہے تو ہم اہل ایمان کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ یہ وضو کل قیامت کے دن امت محمدیہ کی پہچان اور چمکتی ہوئی علامت ہوگی۔ ہمیں زیادہ غور وخوض نہیں کرنا ہے۔ ہمارے لیے بس اتنا کافی ہے کہ ایک توحید پرست جب اپنے رب کے حضور حاضر ہوکر مناجات کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ وضو کر کے ظاہر کو پاک وصاف کرتا ہے اور توبہ کر کے قلب وروح کو صاف ستھرا کرتا ہے ۔ اس سے بڑھ کر اور کون سی حکمت اور مصلحت چاہیے؟ جب شہوت نفسانی تمام بدن کو متاثر کرتی ہے اور مسامات تک سے خروج کرتی ہے تو ضروری ہوا کہ پانی کے ذریعہ شہوت کی حرارت ٹھنڈی کی جائے تاکہ قلب ذکر الٰہی، تلاوت کلام اللہ اور بارگاہ الٰہی میں حضوری کے لیے مطمئن ہوجائے۔

بہرحال جس کو بھی اللہ نے تفقہ فی الدین عطا کیا ہے، اس پر شریعت کی حکمتیں جگ ظاہر ہیں کہ یہ غسل الفت ومحبت اور احترام وعزت کا سبب بھی بنتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ شریعت نے بہت سے مواقع پر غسل کا حکم دیا ہے جیسے: جمعہ اور عیدین کے لئے غسل کرنے کا حکم۔ غسل شرعی عبادت ہے، اس کا ثواب غسل کرنے والے کو عطا کیا جاتا ہے، اس لئے کہ اس نے غسل شرعی کر کے شریعت کے حکم کی تعمیل کی ہے۔آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:"الطہور شطر الایمان"(صحیح مسلم)"شطر" نصف کو کہتے ہیں اور "طہور" میں وضو اور غسل دونوں شامل ہیں، نیز یہاں "ایمان" سے مراد نماز ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے {وما کان اللّٰہ لیضیع ایمانکم ان اللّٰہ بالناس لرؤف رحیم} اور طہارت صحت نماز کے لیے شرط ہے گویا کہ طہارت شطر ہوگئی اور غسل کے ذریعہ جسم پر لگی کسی بھی قسم کی گندگی اور بدبو کا ازالہ ہوجاتا ہے، جس بدبو سے لوگ متنفر ہوتے ہیں اور بیماریوں کو پیدا کرنے والے جراثیم سے بچاؤ ہوتا ہے۔

اس شخص کا کوئی علاج ہی نہیں ہے، جس کی فکر وبصیرت پر اللہ تعالیٰ نے مہر ثبت کر دی ہو۔ اس کو حکم طہارت میں کبھی محاسن اخلاق نظر ہی نہیں آسکتے، وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ اس کا حکم اسلام نے دیا ہے اس لئے وہ جانتے ہوئے بھی نہیں مانے گا۔وہ جانتا ہے کہ جتنے بھی انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لائے ہیں، ان سب نے جہاں قلب کو بت پرستی کی آلودگیوں سے پاک صاف رکھنے کی دعوت دی ہے، وہیں ظاہری تمام حسن وجمال کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ قول، فعل اور اخلاق کے حسن وجمال کی بات ہو یا کپڑا اور جسم کو گندگی ونا پاکی سے بچانے کا حکم ہو۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو تفقہ فی الدین عطا فرمائے۔آمین۔

تاج الفحول بدایونی اور اعلیٰ حضرت بریلوی کے ایک ممتاز خلیفہ

حضرت مفتی محمد عمر الدین ہزاروی قدس سرہٗ القوی

حیات وخدمات کی ایک جھلک

ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی، ممبئی

عالم ربانی وخطیب لاثانی، باطل شکن مناظر و مصنف، مجاہد سنیت اور مفتی بمبئی حضرت مولانا شاہ محمد عمر الدین قادری رضوی ہزاروی قدس سرہ القوی کا اسم گرامی بمبئی کے مذہبی افق پر بہت نمایاں وروشن رہا ہے۔ آپ کا وطن اصلی کاٹھیاواڑ، گجرات تھا۔ آپ کے آبا واجداد نقل مکانی کر کے قصبہ کوٹ نجیب اللہ، ہری پور، ضلع ہزارہ [جواب تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں ہے] سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ وہیں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ہزارہ کے مشہور زمانہ عالم دین علامہ فیض عالم علیہ الرحمہ مصنف ''وجیز الصراط'' آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ والد واجداد کے اسمائے گرامی یہ ہیں: محمد عمر الدین بن مولانا محمد قمر الدین بن علاء الدین بن مراد بخش بن گل محمد۔

ابتدائی تعلیم ہزارہ میں ہی پائی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے بمبئی وارد ہوئے اور مشہور وبافیض درسگاہ جامعہ محمدیہ ملحق جامع مسجد بمبئی میں داخل درس ہوئے۔ اساتذۂ عظام میں مشہور خلائق بافیض عالم وبزرگ حضرت علامہ محمد عبید اللہ مکی صدر مدرس جامع محمدیہ بمبئی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ تکمیل تعلیم کے بعد آپ یہیں کے ہو کر رہ گئے جامع محمدیہ بمبئی میں مدرس ہوئے اور پھر صدر مدرس بھی ہوئے۔ دارالافتا کی ذمہ داری بھی انجام دیتے تھے۔ بے حد مقبول وہر دل عزیز خطیب وواعظ تھے۔ آپ کا خطاب ایمان افروز اور باطل سوز ہوا کرتا تھا۔ ٹھوس علمی مضامین بھی لکھتے تھے۔ تاریخ ساز ریکارڈ قائم کرنے والے ماہنامہ ''تحفہ حنفیہ'' پٹنہ میں آپ کے کئی مضامین نظر سے گزرے ہیں۔ صاحب تصانیف بھی تھے۔ نصف درجن سے زائد علمی وتحقیقی وتردیدی کتب ومقالات آپ کے شاہکار قلم کی یادگار ہیں۔ میدان مناظرہ کے بھی آپ شہسوار تھے۔ بدمذہبوں کے ساتھ ساتھ آپ بے دینوں، آریوں وعیسائیوں سے بھی برسرپیکار رہے۔ سیکڑوں بدعقیدہ اور بے دین غیر مسلم آپ کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت مفتی محمد عمر الدین قادری رضوی ہزاروی تاج الفحول حضرت علامہ شاہ محمد عبد القادری بدایونی کے فیض یافتہ اور مرید و خلیفہ تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری سے والہانہ تعلق خاطر تھا۔ ان کے علم نافع، عمل صالح اور جاں باز دینی وعلمی کارناموں اور دلی وروحانی تعلق [جس کا محبت بھرا ذکر اعلیٰ حضرت کی متعدد تحریروں میں ہوا ہے۔] کی بنیاد پر اعلیٰ حضرت نے بھی انہیں اجازت وخلافت سے مشرف کیا تھا۔ عمر کے آخری حصے میں اپنے وطن ہزارہ مراجعت فرمائی۔ ۱۴؍شعبان المعظم

۱۳۴۹ھ/ ۲ر۱۱ر ۱۹۳۱ء کو عین شب برات کی [رات] مبارک و مسعود ساعت میں وفات پائی۔ تفصیل دیکھیں۔

[۱] تذکرہ علما و مشائخ سرحد، از امیر شاہ قادری، طبع پشاور، بحوالہ ’تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، از محقق صادق قصوری و ڈاکٹر مجید الہ قادری، طبع کراچی، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۶۹، ۲۷۰۔

[۲] تذکرہ علمائے اہل سنت، از مفتی محمود احمد رفاقتی، طبع لائل پور، بار دوم ۱۹۹۲ء، ص: ۱۸۱۔

تاسیس ندوہ: ۱۳۱۰ھ میں مدرسہ فیض عام کان پور کے سالانہ اجلاس میں علما کی ایک میٹنگ ہوئی۔ جس میں مسلم معاشرہ میں پھیلی برائیوں، خصوصاً اصلاحِ نصابِ تعلیم پر گفت گو ہوئی۔ علمائے کرام کی متفقہ رائے سے پہلے پہل اس تنظیم کا نام ’’ندوۃ العلماء‘‘ رکھا گیا۔ جو بعد میں ’’ندوۃ العلماء‘‘ سے مشہور ہوا۔ کان پور والی میٹنگ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز بھی شریک تھے اور اصلاحِ نصاب پر اپنا گراں قدر مقالہ بھی پیش کیا تھا۔ ۱۳۱۲ھ میں یہ اجلاس لکھنؤ، ۱۳۱۳ھ میں بریلی اور ۱۳۱۴ھ میں ندوہ کا اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔

کان پور کی میٹنگ میں ہی کچھ ایسی باتیں سامنے آئیں، جن کی اصلاح وخلاصہ محتاط و متدین علما و مشائخ چاہتے تھے۔ لکھنؤ کے اجلاس میں وہ قابلِ اصلاح باتیں اور زیادہ روشن ہو کر اجاگر ہوئیں تو اصلاحی کوششیں بھی تیز ہو گئیں۔ اس اصلاحی فکر کے سرگروہ یوں تو تمام محتاط علما تھے، مگر نمائندگی و پیشوائی میں پیش پیش تاج الفحول حضرت شاہ محمد عبد القادر قادری برکاتی بدایونی، حافظ بخاری حضرت سید شاہ محمد عبد الصمد مودودی چشتی سہسوانی ثم پھپھوندوی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی تھے۔ بریلی کے اجلاسِ ندوہ میں وہ قابلِ اصلاح باتیں اور بھی شوخ رنگ میں سامنے آ گئی تھیں۔

تصدیقات جلیلہ: نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اقطارِ ہند کے علما، مشائخ، عمائدین اور دانشورانِ قوم و ملت جلسۂ ندوہ سے کھنچے کھنچے رہنے لگے اور اصلاح و مفاہمت کی رفتار بڑھ گئی۔ ۱۳۱۳ھ میں اعلیٰ حضرت سے اس کے متعلق دس سوالات ہوئے۔ ان سوالوں کے جوابات کا مجموعہ ’’فتاوی القدوۃ لکشف دفین الندوۃ‘‘ کے نام سے ۱۳۱۳ھ ہی میں مطبع نادری بریلی سے شائع ہوا۔ جس پر تمام ہندوستان کے قریب پچاس اجلہ علما و مشائخ نے ندوہ کی بے دینیوں اور مداہنتوں کا اظہار کرتے ہوئے تائید و تصدیق کی۔ جن کا مقامی تعلق بمبئی، الہ آباد، دہلی، مراد آباد، رام پور، بدایوں، بریلی، پھپھوند اور مارہرہ مقدسہ سے ہے۔ علمائے بمبئی کے مصدقین کے نام نامی کے اندراج سے پہلے نامی و مشہور عالم اور مفتی و مناظر حضرت مفتی محمد عمر الدین قادری ہزاروی کی تصدیق ملاحظہ کریں۔ شیخ العلما حضرت مفتی محمد عمر الدین ہزاروی کی عبارت یہ ہے۔

’’بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ ہندوستان میں حکومت اسلام نہ ہونے کے باعث طرح طرح کے فتنے حادث ہوتے رہتے ہیں۔ اولاً نجدیہ کا فتنہ ظاہر ہوا، پھر اس میں سے نیچریوں کی شاخ پھوٹی۔ اب سب سے بڑا فتنہ بنام ’’ندوۃ العلما‘‘ نیچریوں نے قائم کیا ہے اور اس میں چند کوتاہ اندیش سنیوں کو بھی شامل کر لیا ہے اور باعث زیادہ خرابی اور بدمذہبی کا یہ ہوا ہے کہ ان عیاروں نے تمام کارروائی ظاہراً ان سادہ لوحوں کو سونپ دی ہے۔ یہ ان مکاروں کے مکر سے بے خبر، ان کی چال بازی سے غافل، ان کے اقوال فاسدہ کو اپنی زبان و قلم سے شائع کر کے عوام کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ چنانچہ گواہ اس کی روداد مطبوعہ جلسہ لکھنؤ و کان پور ہیں۔ جس کے اقوال فاسدہ کا مشتے نمونہ از خروارے سائل نے سوال میں درج کیا ہے اور فقیر نے بھی ان خرافات مردودہ کے علاوہ اور بہت سے ہذیانات مطرودہ ان ہر دو روداد میں دیکھے ہیں۔ پس مجیب مصیب نے جو کچھ ان قائلین کے اقوال فاسدہ کی رو سے ان پر احکام شرع جاری کیے ہیں، وہ سب ان پر قطعاً وارد ہوتے

ہیں۔ان پر لازم وواجب ہے کہ ان اقوال فاسدہ سے تائب ہوکر جلد اہل سنت میں شامل ہوں، ورنہ ان کی وہ جانیں۔ اللہ عزوجل تو اپنے دین کی خود حفاظت فرمائے گا۔ ان سے کچھ نہیں ہونے کا۔ اگلے مبتدعین سے کیا ہوا، جوان سے ہوگا''۔

اسمائے مصدقین: بمبئی عظمیٰ کے دیگر تائید وتصدیق کرنے والے علمائے کرام اوران کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

[۱] **اجوبہ مرقومۃ الصدر صحیح ودرست است:** کتبہ: خادم الشرع القاضی اسماعیل الجلمائی عفااللہ تعالیٰ عنہ وعن والدیہ وعن استاذیہ وعن جمیع المؤمنین آمین یارب العالمین [مع مہر]

[۲] **المجیب مصیب و لہ ثواب عظیم و من انکر فقد غوی و ضل عن الطریق الحق:** کتبہ: احقر العباد حسن بن نور محمد عفی عنہما۔

[۳] **مااجاب المجیب فھو فیہ مصیب و لہ فیہ اجر نصیب:** کتبہ: سید مرتضیٰ بن سید محمد سلطان امام مسجد بالائی محلہ۔

[۴] **فقد اصاب من اجاب و من انکر فقد خسر و خاب لاریب فی تحقیق المحقق و تدقیق المدقق:** حررہ: فقیر قادری مرید احمد حنفی عفی عنہ۔

[۵] **الاجوبۃ کلھا صحاح والعلم الاتم عند خالق المساء و الصباح:** العبد الفقیر محمد یٰسین عفااللہ تعالیٰ عنہ۔

[۶] **ھذہ الجوابات کلھا حق لاریب فیھا:** حررہ الراجی الیٰ رحمۃ المنان میر عبدالرحمٰن عفی عنہ۔

[۷] جوابات سوالات عشرہ مذکورہ سب صحیح اور مطابق اہل سنت و جماعت ہیں: حررہ العبد المفتقر الیٰ مولاہ محمد عبید اللہ جعل اللہ اخراہ خیر من اولاہ۔

[۸] **الجواب صحیح موافق لاھل السنۃ والجماعۃ:** کتبہ: خادم الشرع قاضی شیخ محمد مرگھی عفی عنہ وعن جمیع المسلمین آمین قاضی شہر بمبئی۔

[۹] **صح الجواب:** نمقہ الفقیر عبدالغفور عفی عنہ۔

[۱۰] **الجواب صحیح:** حررہ المتوکل علی اللہ القوی محب النبی حفظہ اللہ عن شر کل غوی وغبی۔

[۱۱] **الجواب ظاھر للصواب واللّٰہ اعلم بالصواب:** رقمہ: احقر الآفاق محمد اسحاق عفی عنہ۔

[۱۲] **قد حقق المحقق فیما اجاب و ھو فیہ مصیب و مثاب و اجب الاعتقاد ما اثبت و قال و ماذا بعد الحق الا الضلال:** کتبہ: فقیر حقیر سراپا تقصیر گوشہ نشین کلبہ نامرادی ادنی الادانی محمد عبدالہادی عفی عنہ۔

اب جو بمبئی کی باری آئی، یہ ۱۳۱۴ھ کا سال تھا۔ اس کی روداد سنیے۔ مدرسہ محمدیہ جامع مسجد بمبئی کے صدر مدرس حضرت مفتی محمد عمر الدین ہزاروی لکھتے ہیں۔

''ندوہ والوں نے بمبئی میں بھی اس بدمذہبی کا جال پھیلانا چاہا، مگر بحمد اللہ ناکام رہے۔ چنانچہ اس کا قدرے نمونہ ایک اخبار روانہ کرتا ہوں، جس کے ص:۷ رمیں ذکر ہے''۔ [مکتوباتِ علما وکلامِ اہلِ صفا، طبع بریلی ۱۳۱۴ھ ص:۸۲]

یہی حضرت مفتی محمد عمر الدین ہزاروی آگے تحریر کرتے ہیں۔

''شبلی نعمانی کو ندویوں نے جلسہ تائید ندوہ کے لیے بلایا تھا۔ اخبار ''سفیر'' میں اطلاع کی تھی کہ شبلی اور مہدی صاحبان ندوہ کے مقاصد پر لکچر دیں گے۔ مگر قبل اس کے دونوں لکھنؤ [سے] بمبئی تشریف لاتے اور جمعہ کی نماز کے بعد وعظ میں خوب ندوہ کے پڑخچے اڑائے اور شبلی وعبدالحق صاحبان اراکینِ ندوہ کی بھی خوب خبر لی، شبلی صاحب بمبئی سے چلے گئے اور اراکین کے حوصلے پست ہوگئے''۔ [مکتوباتِ علما وکلامِ اہلِ صفا، طبع

بریلی، ۱۴ ۱۳ ۱۳ھ ص: ۸۳]

۱۴ ۱۳ ۱۳ھ میں ہی ''فتاوی السنۃ لالجام الفتنۃ'' کے نام سے ایک کتاب چھپ کر منظرِ عام پر آئی۔ اس کتاب کے مصنف حضرت علامہ شاہ محمد عبدالرزاق مکی حیدرآبادی تھے۔ مطبع نادری بریلی سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں ندوہ کے متعلق چھ سوالات اور ان کے جوابات ہیں۔ کتابِ مذکور کا منشا ہے کہ اہلِ ندوہ سے بچا جائے۔ حیدرآباد کے علاوہ بمبئی اور دیگر بلادِ ہند کے علما، فقہا، مشائخ اور ماہرینِ دین و دانش کی تائید و حمایت اس کتاب کو حاصل ہے۔ آج سے ایک سو پچیس سال پہلے جن علما، مشائخ، خطبا اور ائمہ نے اس کتاب کی تائید و حمایت اور دستخط و مہر ثبت کر کے ندوہ سے اپنی نفرت و بیزاری کا اظہار و اعلان کیا ہے، یہاں ان کے چند اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں۔ اصل کتاب میں تفصیل دیکھیے یا میری کتاب ''مطالعہ ندویت'' کا مطالعہ کیجیے۔ وہ اسمائے مبارکہ یہ ہیں۔

(۱) حضرت علامہ محمد عبیداللہ مکی، صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد بمبئی (۲) حضرت علامہ قاضی محمد اسماعیل مہری استاذ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد بمبئی (۳) حضرت علامہ قاضی محمد صالح بن قاضی شریف عبداللطیف جامع مسجد بمبئی (۴) خلیفۂ بغداد حضرت علامہ عبداللہ بن محمد حموی از سرکارِ بغداد وارد حال بمبئی۔ (۵) حضرت علامہ قاضی شیخ محمد مرگھے، قاضیٔ شہر دوم، بمبئی۔ (۶) حضرت علامہ قاضی محمد اسماعیل جلمائی شافعی خادمِ شرع، بمبئی (۷) حضرت علامہ شاہ محمد امین اللہ عرف شاہ جہان حسینی رفاعی، بمبئی (۸) حضرت علامہ مولانا محمد اسحاق صاحب واعظِ شہر بمبئی (۹) حضرت علامہ سید شاہ غلام حسین جونا گڑھی، وارد حال بمبئی (۱۰) حضرت علامہ محمد عبدالغفور صاحب واعظ و مدرسِ شہر بمبئی (۱۱) حضرت علامہ حسن بن نور محمد صاحب (۱۲) حضرت علامہ مفتی محمد عمر الدین ہزاروی واعظ و مدرس شہر بمبئی (۱۳) حضرت علامہ محمد طاہر صاحب۔

دو تین کو چھوڑ کر یہ سارے مقامی علما و خطبا و ائمہ تھے۔ جو ندوہ کی شناعتوں، سفاہتوں اور دینی قباحتوں کا کھلے عام اعلان کر رہے تھے اور اپنی نفرت و بیزاری کا اظہار کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ عمائدین، تاجرین اور دانشورانِ شہر بھی اس تحریکِ اصلاح کے پر جوش کارکن اور سرگرم حصہ تھے۔ کچھ نام یہ ہیں۔ حضرت علامہ محمد اسماعیل نقشبندی شاذلی، گورے بابو، حاجی محمد قاسم، حاجی عیسی خان محمد، حاجی نور محمد عثمان، حاجی محمد قاسم، حاجی محمد اسحاق آدم، حاجی ابو، حاجی حبیب، حاجی محمد ابراہیم، شیخ محمد ابراہیم بن شیخ چاند وغیرہم اور شہر ناسک سے حضرت شاہ محمد عبدالفتاح کے فرزند حضرت مولانا سید امام الدین اور جناب سید احمد صاحب بہت ہی فعال تھے۔

تحفه حنفیه: یہ سو، سوا سو سال پہلے کی بات ہے۔ یہ ایک ماہنامہ تھا، جو عظیم آباد پٹنہ سے شائع ہوتا تھا۔ اس رسالہ نے رسالہ ندوہ اور غیر مقلدیت کے رد و تعاقب میں کلیدی کردار انجام دیا ہے۔ یہ اس دور کا نہایت مشہور اور مقبول رسالہ تھا۔ حضرت مفتی محمد عمر الدین قادری رضوی ہزاروی اس کے خاص قلم کاروں میں تھے۔ آپ اس کی اشاعت و ترقی کے خواہاں تھے۔ اس دور کے قلیل آبادی والے بمبئی شہر میں درج ذیل قارئین و معاونین تھے۔ حتی کہ یہ سلسلہ گجرات تک انہوں نے دراز کرادیا تھا۔ رپورٹ میں لکھا گیا ہے۔

[۱] جناب سوداگر بکر خان ولد عمر خان، قصبہ میانگر، گجرات، بذریعہ حامی الاسلام والدین مولانا محمد عمر الدین صاحب مدرس دام مجدہ، جالی محلہ امر کھاڑی مکان حاجی صدیق جعفر، بمبئی۔

[۲] جناب مولانا محمد میاں صاحب، محلہ قصاب واڑہ، کوچہ چاند سیٹھ، بمبئی۔
[۳] جناب حاجی عبد الرحیم صاحب بن حاجی بلند مرحوم، محلہ قصاب واڑہ، کوچہ چاند سیٹھ، بمبئی۔
[۴] جناب میاں مومن صاحب، محلہ قصاب واڑہ، کوچہ چاند سیٹھ، بمبئی۔
[۵] جناب مولانا سید محمد شاہ صاحب عرف بابا میاں، مکان عیسیٰ صاحب، جالی محلہ، بمبئی۔
[۶] جناب مولانا احمد میاں صاحب مہتمم مدرسہ احمدیہ، محلہ قصاب واڑہ، کوچہ چاند سیٹھ، بمبئی۔
[۷] جناب حاجی عیسی جمعہ صاحب، مستری محلہ، بمبئی۔
[۸] جناب مولانا حافظ عبد الغفور صاحب امام مسجد محلہ متصل کرافٹ مارکیٹ، بمبئی۔
[۹] جناب شیخ احمد بھائی صاحب متصل مسجد قصاب واڑہ، بمبئی۔
[۱۰] جناب سیٹھ دادا میاں صاحب الیاس حاجی چینائی بردکان حاجی محمد اسحاق الیاس، متصل زکریا مسجد، بمبئی۔
[۱۱] جناب مولانا عبد الرحیم احمد امین صاحب، بردکان زکریا حاجی، متصل زکریا مسجد، بمبئی۔
[۱۲] جناب ابراہیم اسماعیل صاحب، زکریا مسجد، بمبئی۔
[۱۳] جناب مولانا مولوی حسن صاحب امام مسجد حکیم اسماعیل صاحب، چونا بھٹی، بمبئی۔
[۱۴] جناب شیخ عبد اللطیف صاحب احمد کمپنی شیخ میمن اسٹریٹ، متصل جامع مسجد بمبئی۔
[۱۵] جناب مولانا خدا بخش صاحب امام مسجد دھان باڑی، بمبئی۔
[۱۶] جناب احمد صاحب کاپڑیا متصل محلہ گندا تالاب، بمبئی۔
[۱۷] جناب عثمان رحیمتا صاحب، بر مکان عیسی علی، جالی محلہ، بمبئی۔
[۱۸] جناب میاں جی حسین صالح محمد صاحب ملا، مستری محلہ، بمبئی۔
[۱۹] جناب محمد علی صاحب دلوی محلہ دھان باڑی، بمبئی، بذریعہ موئد سنت خیر البشر مولانا حاجی وحافظ وقاری واعظ سید شاہ محمد عمر صاحب دام مجدہ، حیدرآباد دکن۔ [ماہنامہ ''تحفہ حنفیہ'' پٹنہ، شمارہ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۶ھ، ضمیمہ ص: ۲]

مکتوب بمبئی: ۱۳۱۸ھ میں سرزمین عظیم آباد پٹنہ میں ملک گیر سطح پر ردندوہ کا تاریخ ساز اجلاس منعقد ہوا۔ یہ اجلاس مسلسل سات دنوں تک چلتا رہا۔ تمام متحدہ ہندوستان کے سو، سو علما ومشائخ نے شرکت کی۔ بمبئی سے حضرت مفتی محمد عمر الدین قادری رضوی ہزاروی بھی مدعو تھے۔ ناگزیر حالات کے پیش نظر پٹنہ نہ جا سکے، تو داعی ومیزبان حضرت قاضی محمد عبد الوحید فردوسی کو مبارک باد دیتے ہوئے اپنی معذرت کا بھی اظہار کرتے اور لکھتے ہیں۔

''برادرم مولانا الفرید الوحید سلمکم اللہ تعالیٰ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فقیر بمعیت مولانا قاضی مہری صاحب رئیس اعظم بمبئی ضرور حاضر جلسہ ہوتا، مگر نائب مدرس کی علالت سے مجبور اور مولائے موصوف بھی قصد کرتے کرتے رہ گئے۔ بہرحال مبارک باد دیتا ہوں۔ خدا اہل سنت کو فتح یاب اور مبتدعین کو پشیماں اور مغلوب کرے۔ سائر علمائے اہل سنت، بالخصوص اعلیٰ حضرت امام علمائے ظاہر وباطن تاج الفحول محب الرسول بدایونی مدظلہ اور مجدد مأۃ حاضرہ والاحضرت فاضل بریلوی سامت برکاتہم کی خدمات میں تسلیم پہنچایئے۔

والسلام، خادم محمد عمر الدین عفی عنہ، مدرس اول مدرسہ فتحیہ واقع بمبئی''۔ [روداد اجلاس اہل سنت، تحفہ حنفیہ، پٹنہ ۱۳۱۸ھ، ص: ۱۵۰]

ھدیہ تشکر: مفتی بمبئی حضرت مفتی محمد عمر الدین قادری رضوی ہزاروی ماہنامہ ''تحفہ حنفیہ'' پٹنہ کے مستقل مقالہ نگاروں میں تو تھے ہی۔ مخلصانہ تعاون کرتے اور کراتے بھی تھے۔ چنانچہ مہتمم مطبع حنفیہ حضرت مولانا محمد ضیاء الدین پیلی بھیتی مفتی بمبئی اور معاون خاص جناب میاں مومن صاحب مرحوم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''خاص کر ناصر دین وملت قاتل کفر و بدعت عالم نبیل فاضل جلیل جناب مولانا مولوی محمد عمر الدین صاحب سنی حنفی قادری ہزاروی مقیم بمبئی مربی ''تحفہ حنفیہ'' صانہ اللہ تعالیٰ عن مصائب الدنیویۃ والاخرویہ کا شکریہ ادا ہو ہی نہیں سکتا اور حامی سنت ماحی بدعت جناب میاں مومن صاحب سیٹھ کا دفتر تحفہ تہہ دل سے شکر گزار، جنہوں نے ایسی حالت میں اعانت تحفہ وحمایت سنت مطہرہ فرمائی اور یک مشت ساٹھ روپے بغرض مدد تحفہ حضرت مولانا ممدوح کے ذریعہ سے دفتر تحفہ میں بھجوائے، جزاہم اللہ تعالیٰ''۔ [ماہنامہ ''تحفہ حنفیہ'' پٹنہ، شمارہ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ، ص:۳۸]

بمبئی کے مستفدین: شہر بمبئی کے استفتا کرنے والوں اور سوال کرنے والوں میں علما ومشائخ، تجار و دانشور اور عوام الناس بھی ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کی مختلف جلدوں میں ایسے اسما کثرت سے موجود ہیں۔ ہم چند اہم علما ومشائخ کے اسمائے گرامی کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت علامہ سید شاہ حامد حسین صاحب خطیب وامام قصائی محلہ مسجد بمبئی، حضرت مفتی محمد عمر الدین ہزاروی صاحب خطیب وواعظ ومفتی ومدرس مدرسہ محمدیہ بمبئی، حضرت علامہ عبدالواحد خان صاحب خطیب وواعظ شہر بمبئی، حضرت مولانا محمد جہانگیر صاحب خطیب وامام جامع مسجد باندرہ بمبئی وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔ ۱۳۱۳ھ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے رسالہ ''منیر العینین'' تصنیف فرمایا۔ اس کے خاتمہ میں، جو بمبئی سے چھپ رہا تھا، رقم فرماتے ہیں۔

''یہ چند جملے لوح دل پر نقش کر لینے ہیں کہ بعونہ تعالیٰ اس تحریر نفیس کے ساتھ شاید اور جگہ نہ ملیں۔ و باللہ التوفیق وله الحمد، الحمدلله القادر القوی علما ماعلم وصلى الله تعالىٰ علىٰ ناصر الضعيف وآله وسلم۔ قبول ضعیف فی فضائل الاعمال کا مسئلہ جلیلہ ابتداءً مسودۂ فقیر میں صرف دو افادۂ مختصر ہیں۔ بارگاہ مفیض علوم ونعم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بحمد اللہ تعالیٰ نفائس جلیلہ کا اضافہ ہوا۔ افادہ شازدہم [۱۶] سے یہاں تک آٹھ افادات نافعہ اسی مسئلہ کی تحقیق میں القا ہوئے۔ قلم روکتے روکتے اتنے اوراق املا ہوئے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس مسئلہ کی ایسی تسجیل جلیل و تفصیل جزیل اس تحریر کے سوا کہیں نہ ملے۔ مناسب ہے کہ یہ افادے اس مسئلہ خاص میں جدا رسالہ قرار دیے جائیں اور بلحاظ تاریخ '**الهادی الكاف فی حكم الضعاف**' لقب پائیں''۔ [فتاویٰ رضویہ طبع بمبئی، ۲/۴۸۱]

۱۳۱۶ھ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے رسالہ ''الوفاق المتین'' تصنیف فرمائی۔ اس رسالہ کے ترقیمہ میں مفتی بمبئی کا تذکرہ وشکریہ ادا کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

''اس فقیر حقیر اور مولانا مولوی عمر الدین صاحب کو کہ اس نفیسہ جلیلہ کے محرک تالیف اور ''**الدال كفاعله**'' کے مصداق منیف ہوئے اور عالی ہمتان زمن محبان دین وسنن حاجی اسحاق آدم صاحب صباغ پلندری وحاجی ابو، حاجی حبیب صاحب میمن ایمن حفظہما اللہ تعالیٰ عن الفتن والمحن کو، جن کی ہمت بلند سے اصل کتاب اور جامع فضائل قامع رزائل مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب قادری نقشبندی شاذلی سلمہ العلی والولی کو، جن کی سعی جمیل سے یہا جزا تذئیل جلیل منطبع اور اہل سنت ان جواہر دینیہ سے منتفع ہوئے۔ دعائے عفو وعافیت وخیر وبرکات دنیا وآخرت سے یاد فرمائیں''۔ [فتاوی رضویہ، طبع بمبئی، ۴/۳۷۶]

حضور حافظ ملت علامہ عبد العزیز
بانی الجامعۃ الاشرفیہ

محمد ابوہریرہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

حضور حافظ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور (متوفی ۱۹۷۶ء) بیسویں صدی عیسوی کی یگانۂ روزگار اور جامع صفات شخصیت کا نام ہے۔آپ نے مومنانہ فکر و بصیرت اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ ملت کی صلاح وفلا اسلام وسنیت کے تحفظ و بقا اور دینی علم وتہذیب کے فروغ وارتقا کے جو تاریخ ساز اور گراں قدر کا نامے انجام دیے ہیں وہ اہل سنن کے افق قلب پر ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں آپ کی انقلابی شخصیت وہ ہے جس نے افکار کے زاویے بدلے، صحیح رخ پر سوچنے سمجھنے پر آمادہ کیا، تنظیمی شعور عطا کیا، مثبت اور سنجیدہ فکر بخشی اور ملت اسلامیہ کے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ عطا کیا۔

حافظ ملت،ملت کے اس پاسبان کا نام ہے جس کی زندگی کا ہر لمحہ ملت کی حفاظت میں گزرا، جس نے ملت کی حفاظت فرمائی :۔تقریر سے،تحریر سے،تدریس سے،مناظرہ کے ذریعے،احقاق حق وابطال باطل سے،اپنی زندگی کو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈھال کر اپنی درس گاہ علم وادب سے جلیل القدر علما،اساتذہ ،خطبا،اصحاب قلم،مناظرین،متکلمین،مفسرین،محدثین اور اصحاب افتا پر مشتمل ایک خدائی گروہ بنا کر،خانقاہوں میں بیٹھ کر،جامعہ اشرفیہ کی بنیاد رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کے لیے زندگی وقف کر کے۔خلاصۂ کلام یہ کہ ملت کے حافظ نے ملت کی حفاظت ہر ان مؤثر ذرائع کو استعمال فرما کر کی جو ملت کی حفاظت کے لیے لازمی وسائل تھے۔

یوں تو حضور حافظ ملت نے کئی جہتوں سے چمن اسلام کی آبیاری فرمائی ہے اور ہر جہت سے اتنی روشن وتابندہ ہے کہ اس پر ہزاروں صفحات تحریر کیے جاسکتے ہیں مگر ان سب سے قطع نظر اگر صرف شخصیت سازی اور جامعہ اشرفیہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس زاویہ نظر میں بھی آپ کا مقام بالکل منفرد اور یکتا نظر آئے گا۔سنی دنیا میں آپ کا کیا مقام ہے اور مذہب حق اہل سنت ،مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ میں آپ کا کیا رول رہا ہے ان ساری باتوں کا جواب اگر ایک لفظوں میں دینا ہو تو فقط ''الجامعۃ الاشرفیہ'' کہہ دینا کافی ہوگا۔آیے درج ذیل سطور میں ان کے کارناموں کی ایک مختصر سی جھلک دیکھتے چلیں جو سنی دنیا میں آپ کی ناقابل فراموش قربانیوں کی منظر کشی کرتی ہے۔

اشرفیہ۔ایک انقلابی تحریک:۔برصغیر ہندو پاک میں یوں تو ہزاروں مدارس قائم ہیں مگر ان میں امتیاز،اعتبار،اہمیت اور معنویت اس وقت جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو حاصل ہے وہ (بہ استثنائے چند مدارس) کسی اور کو حاصل نہیں۔۔حافظ ملت نے

مبارک پور میں قدم رنجہ فرما کر اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا پورے اخلاص وللّٰہیت، استقلال و پامردی کے ساتھ استعمال کیا اور اہل سنت کی تعلیمی صورت حال میں ایک خوش گوار، پائیدار اور تاریخی انقلاب پیدا فرمایا، جو اہل سنت کے تحفظ وبقا، سلامتی ودفاع اور تعمیر وترقی کا سب سے بڑا ذریعہ بنا، اگر حافظ ملت نے یہ تعلیمی انقلاب برپا نہ کیا ہوتو آج اہل سنت کی حالت کچھ اور ہی ہوتی حافظ ملت نے اپنی آنکھوں میں جو خواب سجا کر اشرفیہ کا پودا لگایا تھا آج وہ تناور درخت بن کر پھل دینے لگا ہے۔ اور اس پھل کے بیج سے اور بھی درخت وجود میں آ کر پھل پھول دینے لگے ہیں۔ جن سے سارا عالم معطر اور مشکبار ہو رہا ہے۔ یہ حافظ ملت کی نگاہ کیمیا ہی کا اثر ہے کہ آج فاضلان اشرفیہ تقریباً ہر شعبۂ حیات میں بازی مارنے کے درپے ہیں، گزشتہ پندرہ سالوں جس تیزی سے مصباحی حضرات عصری اداروں کا رخ کر رہے ہیں اس نے ہمارے حریفوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے، جسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ آئندہ پچیس سالوں میں یہ علما یونیورسٹیوں اور کالجوں کے علاوہ ملک کے دیگر اہم عہدوں پر فائز نظر آئیں گے، مختلف محاذ پر فرزندان اشرفیہ کے فخریہ کارنامے کسی بڑے انقلابی دھمک کا پتہ دے رہے ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ حافظ ملت نے قوم کو ''اشرفیہ'' عطا کر کے جس طرح سے قوم کی ضرورت کو پورا کیا ہے وہ قیامت تک نہ بھلایا جا سکے گا۔

سنی دنیا میں حافظ ملت کی مربیانہ شان وعظمت۔ شخصیت سازی کے تناظر میں۔

حافظ ملت کی زندگی کا سب سے نمایاں جوہر اپنے تلامذہ کی پرسوز تربیت اور ان کی شخصیتوں کی تعمیر ہے۔ آپ اپنے اس وصف خاص میں اتنے منفرد ہیں کہ دور دور تک کوئی آپ کا شریک نظر نہیں آتا۔ شخصیت سازی سے میری مراد اپنے تلامذہ کو ان اوصاف کا حامل بنانا ہے جو ایک مرد مومن کی زندگی کا لازمہ ہوا کرتی

گزشتہ پندرہ سالوں جس تیزی سے مصباحی حضرات عصری اداروں کا رخ کر رہے ہیں اس نے ہمارے حریفوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے، جسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ آئندہ پچیس سالوں میں یہ علما یونیورسٹیوں اور کالجوں کے علاوہ ملک کے دیگر اہم عہدوں پر فائز نظر آئیں گے، مختلف محاذ پر فرزندان اشرفیہ کے فخریہ کارنامے کسی بڑے انقلابی دھمک کا پتہ دے رہے ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ حافظ ملت نے قوم کو ''اشرفیہ'' عطا کر کے جس طرح سے قوم کی ضرورت کو پورا کیا ہے وہ قیامت تک نہ بھلایا جا سکے گا۔

ہیں۔ شخصیت سازی کا فن کس قدر دشوار کن ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ مگر حضور حافظ ملت کردار سازی اور شخصیت نوازی میں اپنی مثال آپ نظر آتے ہیں۔ تاج محل کی تعمیر آسان ہے، مگر شخصیتوں کی تعمیر بہت ہی مشکل کام ہے۔ مگر حافظ ملت کو اس کام سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا اس لیے مشکل ہونے کے باوجود نہایت ہی حسن وخوبی سے انجام دیا اور آج ان کے بنائے ہوئے کردار اور سنواری ہوئی شخصیتیں دوسروں کو بنا سنوار کر انھیں مستقبل کے لیے تیار کر رہی ہیں اور صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرون ملک بھی حافظ ملت کے خوشہ چیں میر کاروں بن کر اپنے مربی اور مشفق باپ کی تحریک کو اوج ثریا تک پہنچانے میں کوشاں ہیں۔ شخصیت سازی کے آنگن میں جو پھول کھلے ہیں ان میں اگر صرف ناموں کی ایک فہرست مرتب کرنے بیٹھا جائے تو ایک ضخیم دفتر درکار ہوگا۔

شخصیت سازی کے لیے کسی معلم ومصلح میں درج ذیل پانچ اوصاف ہونا ضروری ہے:۔

(۱) شفقت، (۲) ذہانت، (۳) تدبر، (۴) علم، (۵) تقویٰ

اور حقائق وشواہد بتاتے ہیں کہ یہ پانچوں اوصاف حافظ ملت کی زندگی میں ابھرے ہوئے نقوش کی طرح نمایاں تھے۔ آپ

اپنی شخصیت سازی سے اس قدر مطمئن تھے کہ بارہا فخریہ انداز میں اپنے خوشہ چینوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے شکر خداوندی بجالاتے، چناں چہ ایک مرتبہ جشن تاسیس الجامعۃ الاشرفیہ کے زریں موقعہ پر ابنائے اشرفیہ قدیم سے خطاب فرماتے ہوئے رقت انگیز لہجہ میں یوں گویا ہوے: ”میں نے آج تک کوئی کاغذی اخبار واشتہار تو نہیں شائع کیا مگر ہاں (مفتی شریف الحق امجدی، بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، علامہ ارشد القادری، علامہ بدرالقادری، علامہ قمر الزماں خاں اعظمی اور دیگر موجود ممتاز شاگرد علما کی جانب اشارہ کرتے ہوے فرمایا) یہ ہیں اشرفیہ کے وہ زندہ جاوید اخبارات واشتہارات جنھیں ہم نے بڑے اہتمام کے ساتھ خون جگر کی سرخیوں سے شائع کیا ہے“ (ملفوظات حافظ ملت، ص: ۱۳۳، ۱۳۴)

حافظ ملت کو باضابطہ سند افتا پر بیٹھ کر فتوی نویسی کا موقع تو نہیں ملا مگر اس کے باوجود قیام مبارکپور کے دوران ہزاروں فتاوے آپ کے قلم حق رقم سے صادر ہوئے جن سے تفقہ فی الدین کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہدایہ اور دیگر درس نظامی کی فقہی کتابوں کی توضیحات وتشریحات دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتی تھیں آپ کے فتاوے پر مشتمل صحیفہ بہت جلد ”فتاوائے حافظ ملت“ کے نام سے شائع ہونے والی ہے

سنی دنیا میں حافظ ملت کی معلمانہ حیثیت تفسیر، حدیث اور فقہ کے تناظر میں:-

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ ایک عظیم مفسر قرآن تھے، انھیں اس مبارک علم میں مراحل کمال تک ایسی رسائی نصیب تھی کہ بہت ہی قلیل مدت میں اپنے باصلاحیت طلبہ میں منتقل فرمادیا کرتے تھے۔

دوران درس تفسیر وقرآن ایسی ایسی نکات بیان فرماتے کہ طلبہ عش عش کراٹھے۔ صاحبان علم وفن حضرات مفسرین قرآن سے یہ تقاضائے بشریت لغزشیں بھی ہوجایا کرتی ہیں۔ آپ صرف طلبہ کو کتب تفسیر کا سبق ہی نہیں پڑھاتے تھے بلکہ روح تفسیر سے آشنا فرمادیتے تھے۔ ان کی نگاہیں مفسرین کی لغزشوں کو بھی گرفت میں رکھتی تھیں چنانچہ جہاں جہاں مفسرین کرام سے تسامح کا صدور ہوا ہے وہاں بطور خاص تنبیہ فرمادیتے تھے۔

علم حدیث حافظ ملت کا خاص میدان تھا، درس حدیث بالخصوص درس بخاری شریف کے دوران عشق نبوی اور محبت مصطفوی کے پیمانے چھلکا کرتے تھے، جہاں حدیث کے رموز سے آشنائی اس حد تک تھی کہ طلبہ سن سن کر نعرہ زن ہوجاتے تھے۔ خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کے ایما پر ماہنامہ ”پاسبان“ میں منتخب احادیث کی توضیح وتشریح لکھنا شروع کیا تو اہل نظر نے خوب خوب سراہا اور ”پاسبان“ کی مقبولیت میں چار چاند لگ گئے، چناں چہ بعد میں احباب کی خواہش کے پیش نظر چند شائع شدہ حدیثی توضیحات ”معارف الحدیث“ کے نام سے منظر عام پر آئیں جسے علمی طبقہ نے کافی پسند کیا۔

حافظ ملت کو باضابطہ سند افتا پر بیٹھ کر فتوی نویسی کا موقع تو نہیں ملا مگر اس کے باوجود قیام مبارکپور کے دوران ہزاروں فتاوے آپ کے قلم حق رقم سے صادر ہوئے جن سے تفقہ فی الدین کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہدایہ اور دیگر درس نظامی کی فقہی کتابوں کی توضیحات وتشریحات دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتی تھیں آپ کے فتاوے پر مشتمل صحیفہ بہت جلد ”فتاوائے حافظ ملت“ کے نام سے شائع ہونے والی ہے، جس سے آپ کی فقہی صلاحیتوں کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سنی دنیا میں حافظ ملت کا مناظرانہ مقام:۔حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ ایک کامیاب مناظر ہی نہیں بلکہ مناظرہ ساز بھی تھے ان کی مناظرانہ شان اس قدر بلند تھی کہ فریق مخالف کے بڑے بڑے سورما بھی ان کے مقابل آنے سے گھبراتے تھے۔مناظرۂ مبارک پور کے دوران تنہا صرف اپنے طلبہ کو ساتھ لے کر جس کمال وخوبی سے دیوبندی جماعت کے سرخیل مناظرین سے مقابلہ کیا وہ تاریخ کا روشن باب بن چکا ہے۔ایک طرف روزانہ تیرہ تیرہ فقہی کتابوں کا درس دیتے،مدرسہ کے انتظامی امور کی نگرانی اور اپنے معلمولات کی تکمیل فرماتے،دوسری طرف اس معرکے کے لیے محض عصر ومغرب کے درمیانی وقفے میں طلبہ سے دیوبندی مناظر کی شب گزشتہ کی تقریر کے اعتراضات سماعت فرماتے اور بروقت انھیں جوابات کے لیے کتابوں کی نشاندہی فرماتے جاتے۔حافظ ملت کے فیض محبت سے طلبہ بھی اتنے قابل ذہین فطین اور فن مناظرہ کے ماہر ہو گئے تھے کی خصم کی تقریر سنتے ہی اہم باتوں کی تلخیص کر کے اس کے مناسب جوابات تیار کر لیا کرتے تھے۔

مبارک پور میں حافظ ملت کے مقابلے پر دیوبندی ،سہارنپور،مئو اور گھوسی تک کی پوری دیوبندی علمی اور فکری مشینری لگی ہوئی تھی ''المصباح الجدید'' کی اشاعت کے بعد سالوں محنت کر جب دیوبندی جماعت نے ''مقامع الحدید'' کے نام سے ''سوال چنیں جواب دیگر'' کا مرقع بنا کر پیش کیا تو مناظرۂ اعظم حافظ ملت علیہ الرحمہ نے تحریری مناظرے کے طور پر ایک ہفتہ کے اندر ''العذاب الشدید'' کا مسودہ تیار کر کے اپنے شاگرد مولانا محمد محبوب اشرفی مصباحی علیہ الرحمہ کے نام سے شائع کیا۔دنیا اس پر حیرت زدہ ہے کہ آج نصف صدی سے بھی کافی عرصہ ہو گیا مگر دیوبندی لابی کے پاس آج بھی اس کا جواب نہ بن سکا،حافظ ملت بارہا فرمایا کرتے:اس کا نام ''العذاب الشدید'': اللہ کے عذاب کا بھلا کیا جواب ہو سکتا ہے علاوہ ازیں پھر بھوج پور،اعظم گڑھ،مبارک پور،سنت کبیر نگر کے مناظرہ میں آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے حق کا پرچم بلند کیا،جس پر وہ حضرات گواہ ہیں جوان کے زریں عہد دیکھنے کا شرف رکھتے ہیں۔

حافظ ملت کی سیاسی بصیرت وقیادت:۔حافظ ملت علیہ الرحمہ جہاں حضور صدرالشریعہ اور اعلی حضرت علیہما الرحمہ کے علم وفضل کے امین تھے وہیں ان کے مصلحانہ کردار اور سیاسی بصیرت وقیادت کے بھی امین تھے۔آپ نے تعمیر شخصیات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو سیاسی شعور بھی عطا کیا سیاست کی بھول بھولیا میں بھٹکنے والے ہزاروں مسلمانوں کو اپنی سیاسی بصیرت کے نور سے بے خوفی اور طمانیت کی روشن شاہراہ پر لا کھڑا کیا۔انھیں وطن عزیز ہند ہی رہ کر باوفا مومنانہ زندگی گزارنے کا حوصلہ بھی دیا اور سلیقہ بھی بخشا۔

۱۹۴۷ء کے ہنگامہ ترک وطن کے وقت جب تقسیم ہند کے بعد مسلمان سیاسی آندھیوں کی زد میں آ کر ترک وطن کرنے لگے تو آپ نے ہر وقت اپنے دوربین نگاہوں سے ان کی تاریک مستقبل کو دیکھتے ہوئے ''ارشاد القرآن::لکھ کر ان کی رہنمائی کی جس کے بہترین اثرات مرتب ہوئے،اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ بدالقادری مصباحی رقمطراز ہیں:

۱۹۴۷ء کے ہنگامہ ترک وطن میں مبارک پور میں ''ارشاد القرآن'' مفت تقسیم کی گئی،جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بھی مسلمان نے ترک وطن نہیں کیا یہ تھا خلوص اور دینی وملی درد میں ڈوبی ہوئی تحریر کا اثر تھا(حیات حافظ ملت،ص ۲۴۳)

آل انڈیا سنی کانفرنس کے اغراض ومقاصد کے پیش نظر آپ نے بھی اس کی رکنیت حاصل کر لی تھی مگر جب آپ نے دیکھا کی یہ بھی چند سیاسی قائدوں اور اقتدار کے پجاریوں کی حمایت میں لاف زنی ہے تو اس سے مستعفی ہو گیے۔مسلم لیگ کی سیاسی چالوں کا گہرائی سے جائزہ لیا تو یہ سچائی کھل کر سامنے آ گئی کہ کانگریس کی طرح مسلم لیگ بھی مسلمانوں کے لیے سم قاتل سے کم نہیں

۔ چنانچہ اپنی سیاسی بصیرت وقیادت کا ثبوت دیتے ہوئے کانگریس اور مسلم لیگ کی گھناؤنی سیاست اور اسلام دشمنی سے مسلمانوں کو خبردار کرنے اور لیگ کے جال مین پھنسے ہوئے بہت سے علمائے اہل سنت اور ذمہ دارانِ قوم کو لیگ کے جال سے نکالنے کے لیے، تمام تر دینی ودردمندی کے ساتھ حقائق وشواہد کی روشنی میں ایک رسالہ بہ نام ''الارشاد'' لکھ کر مفت تقسیم کروادیا۔

چناں چہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ پہلے سے ہمارے اس مدبر اعظم نے مسلمانوں کو چوکنا کردیا کہ مسلم لیگ کا مقصد نہ تو پاکستان بنا کر اسلامی حکومت قائم کرنا اور نہ ہی مسلمانوں کی خیر خواہی مقصود تھی۔ ہاں! اس کے آڑ میں اپنی سیاسی روٹیاں سینکنا مقصود تھا جو ہوا بھی، کہ قیام پاکستان کے بعد آج تک وہاں اسلامی احکام وفرامین نافذ نہ ہوسکے۔

سنی دنیا میں آپ کے قرطاس وقلم کی فرماں روائی:

اگرچہ کتاب اور تصنیف وتالیف کے اعتبار سے آپ کی ذات کچھ محدود نظر آتی ہے مگر اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ آپ اس میدان کے غازی نہ تھے، کثرت مشاغل کے باوجود درج ذیل کتابیں لکھ دینا ایک طرف اصلاح امت کی فکر کا پتہ دیتا ہے تو دوسری طرف آپ کی قلمی صلاحیت کی عکاسی بھی کررہا ہے۔ بلکہ سچائی تو یہ ہے کہ اگرچہ آپ نے کثرت سے کتابیں نہیں لکھیں مگر اتنے کثرت سے مصنفین، مؤلفین اور مترجمین پیدا فرمادیے کہ آج ان کا ہم پلہ ملنا مشکل نظر آتا ہے، فیض یافتگان حافظ ملت کی علمی، تحقیقی اور تنقیدی تحریریں پڑھ کر اہل ذوق سامان تسکین فراہم کرتے ہیں اور انھیں اس میدان میں ایک آئیڈیل کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ کے دست فیض رقم سے نکلی ہوئی کتابوں کی فہرست ذرا کم ہے جس کا خود آپ کو ہمیشہ قلق رہا۔ آخرے زمانہ میں افسوس کرتے ہوئے فرمایا: مجھے افسوس ہے حالانکہ اوائل عمر میں میرا قلم نہایت برق رفتا تھا۔ اور اب نہ وہ قوت ودماغ ہے نہ ہی فرصت'' (ماہنامہ اشرفیہ، حافظ ملت نمبر، ص ۴۱۲)۔

آپ کے قلم سے نکلی ہوئی کتابوں میں سے ''المصباح الجدید'' نے دنیائے دیوبندیت میں بھونچال مچا ہی دیا تھا اس کے بعد ''العذاب الشدید'' لکھ کر مزید ایسی کاری ضرب لگائی کہ آس پاس کے دیوبندی حضرات اس کے ضرب سے آج بھی کراہ رہے ہیں۔ ''الارشاد'' اور ''ارشاد القرآن'' لکھ بروقت آپ نے جو رہنمائی کی تھی دنیا اسے فراموش نہیں کرسکتی۔ ''فرقۂ ناجیہ'' اور ''انباء الغیب'' پڑھ کر آج بھی باطل فرقے عتاب کی طرح ریت میں منہ چھپا کر طوفان کو ٹالنے کی ناکام کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ احادیث کی روشنی میں عقائد واعمال کی تصحیح کا جو کارنامہ ''معارف حدیث نے دیا ہے وہ بھی اہل علم پر مخفی نہیں خوبصورت فقہی گلدستہ فتاوائے حافظ ملت'' اشاعت پذیر ہوکر منظر عام پر آجائے گا تو دنیا حیرت زدہ نگاہوں سے اس کا مطالعہ کرے گی۔

سنی دنیا میں آپ کی شان خطیبانہ:۔ اسلام وسنیت کے فروغ کے تین طریقے ہیں اپنائے گئے: تقریر، تحریر اور تدریس۔ جب ہم حافظ ملت کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ ان تینوں صفتوں کے مظہر نظر آتے ہیں اگرچہ آپ پورے طور سے تدریس سے منسلک نظر آتے ہیں مگر تقریر وخطابت میں بھی خوب ملکہ رکھتے تھے۔

آپ کی تقریر حکمت وموعظت اور عمدہ نصائح پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔ آپ کی تقریر کی سب سے اہم خوبی یہ تھی کہ وہ ذہن ودماغ کو بے پناہ متأثر کرتی تھی، سننے والے کے رونگٹے کھڑے ہوجایا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی تقریروں کا اثر ضرور ظاہر ہوا خوہ جلسہ اصلاح معاشرہ کا ہو یا پھر تردید باطل کی خاطر منعقد ہوا ہو۔ جس کی واحد وجہ یہ تھی کہ آپ کی بات دل سے نکلتے تھی اور دلوں میں جا کر چبھ جایا کرتی تھی زبانی جمع خرچ

اورلفاظی تقریروں سے بے پناہ نفرت فرمایا کرتے تھے۔کبھی قوم مسلم کی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کو دیکھ کر مفکرانہ اصلاح کی کوشش فرماتے۔کبھی قوم مسلم میں ایک صالح انقلابی پیدا کرنے کی سچی لگن اور تڑپ میدان خطابت میں لاکھڑا کرتی تھی۔''نماز'' کے مسئلے پر خطاب فرماتے ہوئے ''نماز فجر'' کی اہمیت کو خوب اجاگر کرتے ایک بار ایک مجمع عام سے خطاب کرتے ہوے فرمانے لگے:''ایک انسان جو کئی دنوں کا تھکا ماندہ ہو اور اس کو کسی اچھے کمرے میں سلا کر ساتھ ہی یہ پیغام سنادو کہ یہاں ایک سانپ بھی رہتا ہے تو یقینی طور پر اسے خوف کے مارے نیند نہیں آئے گی۔جب سانپ کے خوف سے نیند اڑ سکتی ہے تو دل میں خوف خدا جاگزیں ہونے کے باوجود نماز فجر کے وقت نیند آجائے یہ عقل سے لگتی ہوئی بات نہیں''۔(حیات حافظ ملت ص ۲۳۱)

حافظ ملت۔ارباب علم ودانش کی نظر میں:

مفتی اعظم ہند: حضرت حافظ ملت کے وصال کی خبر سن کر حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کی کیا کیفیت تھی اسے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی علیہ الرحمہ ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں:''چاند سا چمکتا نورانی چہرہ ماند پڑ گیا اور تیرہ نصیبوں کی سنوارنے والے آنکھوں کی دھار پھوٹ نکلی سرکار بلک بلک کر رو رہے تھے۔

حضرت برہان ملت: حافظ ملت علیہ الرحمہ ایسے صاحب علم عالم تھے گویا عالم تھے۔

حضرت صدرالشریعہ: میری زندگی میں دوہی باذوق پڑھنے والے ملے:ایک مولوی سردار احمد دوسرے حافظ ملت عبدالعزیز

مفتی اجمل شاہ سنبھلی: صدرالمدرسین، بدرالمعلمین ،فاضل جلیل، عالم نبیل حضرت مولوی حافظ عبدالعزیز صاحب دام فیوضہ لائق صد تحسین ہیں۔اس (اشرفیہ) چمن مصطفوی کی بہار انھیں کی ذات پر موقوف ہے۔

علامہ فضل حق رام پوری: ان (حافظ ملت) کی قابلیت درجۂ کمال کو پہونچی ہوئی ہے۔

سید ظہیر احمد زیدی: جن مشکلات میں آپ نے دین حق کی خدمت انجام دی وہ ہم سب کے لیے نمونہ تقلید ہے۔

علامہ عبدالمصطفی اعظمی: اگرچہ آپ میرے استاذ بھائی تھے مگر وہ علوم واعمال اور زہد وتقوی کے فضل وکمال میں مجھ سے بدرجہا بالاتر، بلند مرتبہ اور عظیم الشان عالم نبیل اور فاضل جلیل تھے۔

حضرت سرکار کلاں :مولانا مخلص ،ایثار پسند ہمدرد تھے۔ان کی خوبیاں تحریر سے باہر ہیں۔

علامہ عبدالمصطفی ازہری: ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے تمام مشائخ، اساتذہ اوران کے متعلقین کا پورا پورا ادب کیا کرتے تھے۔

سید مظفر حسین کچھوچھوی: حقیقت یہ ہے کہ دنیائے سنیت کے جتنے قلعے انھوں نے تعمیر کئے شاید ہی کسی نے نہ کیے۔

علامہ سید قتیل داناپوری: آپ اپنے وقت کے''حضرت ابوہریرہ'' تھے۔

مفتی رفاقت حسین کانپوری: آپ نے مسلمانوں کو عصر حاضر میں دینی خدمات کا جو اسلوب عطا کیا قابل تحسین ہے۔

علامہ سید سلیمان اشرفی بھاگلپوری: آپ نے عمر بھر دینی خدمات میں اوقات گزارا، تقوی وطہارت بھی مکمل تھی۔

شاہ سراج الہدی گیاوی: حافظ ملت نے تعلیمی انقلاب برپا کرنے کا ایک عظیم تصور دیا۔

رئیس القلم علامہ ارشد القادری: حافظ ملت کی زندگی کا سب سے نمایاں جوہر شخصیتوں کی تعمیر ہے۔

علامہ مشتاق احمد نظامی : یہ دینداری ہی نہیں بلکہ چلتا پھرتا دین ہیں جنھیں دیکھ کر لوگ دیندار بنتے ہیں۔(حیات حافظ ملت ص ۲۳۔)

ہندوستان کا بدلتا سیاسی منظر نامہ اور اہل وطن کی خام خیالیاں

طارق انور مصباحی (کیرلا)

15/اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہوا، جب سے اب تک گذشتہ ستر سالوں میں بھی ہندوستان معاشی اعتبار سے ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں نہ آسکا۔ سال ۲۰۱۶ء میں دولت وخوشحالی کے اعتبار سے انڈیا کی بین الاقوامی پوزیشن (International Rank) 1 3 0/ ہے، جبکہ سال ۲۰۱۵ء میں ہندوستان 125 نمبر پر تھا۔ یعنی ملکی معیشت نیچے (Down) گئی ہے۔ عہد حاضر میں ہندوستان کی مالی پوزیشن دنیا کے دیگر ممالک کے اعتبار سے سو(Hundred) کے باہر ہی ہے، جبکہ عہد مغلیہ میں ہندوستان دنیا کا امیر ترین ملک تھا۔ اسے سونے کی چڑیا(Bird of Gold) کہا جاتا تھا۔ ہندوستان خزانوں کا ملک تھا، بلکہ آج بھی جا بجا مدفون خزانے ملتے ہیں۔ ہندوستانی خزانوں میں سونے، چاندی، ہیرے اور جواہرات بکثرت تھے۔ یہاں کی دولت وثروت کو دیکھ کر اہل یورپ کو لالچ پیدا ہوا۔ سلطنت مغلیہ کو کمزور ہوتا دیکھ کر پرتگال، فرانس، ہالینڈ اور برطانیہ ہندوستان پر ٹوٹ پڑے۔ برطانیہ کو زیادہ کامیابی ملی۔ انگریزوں نے یہاں کی دولت پر قبضہ جمانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اپنائے۔ انجام کار ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرکے یہاں سے سب کچھ لوٹ کر لے گئے۔ اب وہ ہندوستان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

انگریزوں کی چالبازی اور دنیا کی بدحالی

عرب دنیا میں تیل کے پوشیدہ ذخیروں پر اہل یورپ کی نظر گئی۔ اہل یورپ نے عربوں کو عرب قومیت (Arab Nationalism) کا نعرہ دے کر خلافت عثمانیہ ترکیہ سے بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ پہلی جنگ عظیم (World War 1st) (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) میں عربوں کو ترکوں کے مقابل کھڑا کر دیا اور سلطنت ترکیہ کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا، تاکہ یہ نومولود غیر مستحکم حکومتیں اہل یورپ کے زیر اثر رہیں اور تیل کے ذخیروں پر اہل یورپ کا کنٹرول قائم ہو جائے۔ اس طرح انہوں نے عرب دنیا کو بھی اپنے کنٹرول میں کر لیا۔ چونکہ تیل کا ذخیرہ ابھی تک موجود ہے، اس لیے ابھی تک امریکہ اور اہل یورپ عرب ممالک پر اپنا شکنجہ کسے ہوئے ہیں۔ اہل یورپ نے عرب ممالک پر اپنا کنٹرول قائم رکھنے کے لیے پہلی جنگ عظیم (1stWorld War) کے بعد سال ۱۹۲۲ء سے یہودیوں کو فلسطین میں بسانا شروع کیا۔ پھر 14/مئی ۱۹۴۸ء کو یہودیوں نے مغربی ممالک

کے اشارہ پر ایک نئے ملک یعنی ''اسرائیل'' کے قیام کا اعلان کردیا۔ درحقیقت ''اسرائیل'' عرب ممالک کے سر پر ایک لٹکتی ہوئی تلوار ہے، جس کے خوف سے اہل عرب زبان ہلانے کی قوت نہیں رکھتے۔ اگر کسی نے ذرا سی حرکت کی تو طرح طرح کا الزام عائد کر کے اسے تباہ و برباد کردیا گیا۔ عراق اور لیبیا کا انجام سبھوں کو معلوم ہے۔ شام و مصر کے حالات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایک طویل مدت تک عربوں کو ایران سے لڑا کر کمزور دیا گیا، پھر عراق کو کویت سے ٹکرادیا گیا۔ اسی طرح اہل یورپ، عرب ممالک کو آج تک ایک دوسرے سے لڑا رہے ہیں۔ داعش کو کس نے جنم دیا؟ القاعدہ کو کس نے ٹریننگ دی؟

برصغیر کی حالت بھی کچھ اچھی نہیں۔ گرچہ مجاہدین آزادی کی جانی و مالی قربانیوں کے سبب انگریز وں کو ہندوستان چھوڑنا پڑا، لیکن انگریز کچھ ایسے عناصر و اسباب پیدا کر گئے کہ ہندوستان کب تک باہمی تنازعات میں پھنسا رہے گا، کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ملک میں آزادی کی کوششیں شروع ہوتے ہی ہندستانی اقوام میں سے قوم ہنود اور قوم مسلم کو ایک دوسرے سے برسر پیکار کردیا۔ ہندوؤں کے دماغ میں ہندوقومیت (Hindu Nationalism) کا نظریہ پیدا کردیا۔ بابری مسجد اور رام جنم بھومی کا معاملہ بھی غیر ملکیوں کی پیداوار ہے۔ عہد مغلیہ کی ہندوستانی تاریخوں میں صرف اتنا ذکر ملتا ہے کہ بابر بادشاہ کے حکم سے اس کے سالار میر باقی نے سال ۱۵۲۸ء میں اجودھیا میں ایک مسجد بنائی، تاکہ وہ اس آبادی کی سب سے بڑی مسجد قرار پائے، جہاں ۱۵۲۸ء سے ۱۹۴۹ء تک پنجوقتہ نمازیں اور جمعہ وعیدین کی نمازیں ہوتی رہیں۔

اگر بابر بادشاہ (۸۸۸ھ-۹۳۷ھ- ۱۴۸۳ء-۱۵۳۰ء) ''رام جنم بھومی مندر'' توڑ کر مسجد بناتا تو اس کا تذکرہ اس عہد کی تاریخوں میں ضرور ملتا، کیونکہ ''رام'' کو ہندو قوم اپنا معبود مانتی ہے اور اس کا مقام پیدائش قوم ہنود کے لیے نفسیاتی طور پر (Psychologically) ایک بہت ہی پرکشش ہوتا۔ پھر جس طرح بابر باشاہ کے پوتے ''اکبر بادشاہ'' کے عہد میں ہندوؤں نے اکبر بادشاہ کے ذریعہ ''گئوکشی'' پر پابندی لگوادی تھی، اسی طرح بابر کی بنائی ہوئی مسجد کو بھی ''مندر'' یعنی اپنی اصل شکل میں بنوا لیتے۔ لیکن بادشاہ اکبر (۱۵۴۳ء-۱۶۰۵ء) کے عہد میں ایسا کچھ نہ ہوا۔ حالانکہ ہندو پجاریوں، ہندو راجاؤں اور اپنی ہندو رانیوں کے کہنے پر ہی اکبر بادشاہ نے ایک نیا مذہب ''دین اکبری'' کے نام سے جاری کیا تھا، جس میں بتوں اور سورج کی پوجا، قشقہ لگانا، زنار پہننا، تناسخ (آواگون) کا عقیدہ، اسی طرح ہندوانہ رسم ورواج شامل تھا۔ شیخ مبارک ناگوری (م ۱۵۹۲ء) کے بیٹے ابوالفضل علامی اور ابوالفیض فیضی وغیرہما نے صرف ان امور کو قانونی شکل دی تھی یعنی ان ابن الوقت درباریوں نے، اکبر کی تائید میں قرآن وحدیث پیش کیا۔ ان تمام امور کا تفصیلی تذکرہ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب ''منتخب التواریخ'' میں کیا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی دربار اکبری سے وابستہ تھے۔ جب گئوکشی پر پابندی لگوادی گئی، ایک نیا مخلوط سرکاری مذہب بنوادیا گیا تو ''رام جنم بھومی'' کا معاملہ کیوں نہ اٹھایا گیا؟

ہندوستان میں تبلیغ اسلام

ہندوستان میں مسلم بادشاہوں نے اسلام کی تبلیغ واشاعت نہ کی، بلکہ بیرون ممالک سے صوفیائے کرام کی آمد مسلسل جاری رہی، ان کی تبلیغی کوششوں سے ملک ہند میں اسلام پھیلتا گیا۔ جہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا، وہاں خود ان لوگوں نے اپنی پرانی عبادت گاہوں کو توڑ کر مسجد بنالیا۔ انگریزوں نے

اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے ہندوستان کی دونوں بڑی قوموں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا بیج بودیا ، بلکہ ہر جگہ انگریزوں نے لڑاؤ اور حکومت کرو(Divide and rule) کا فلسفہ اپنایا تھا۔جاتے وقت انگریزوں نے ملک ہند کو دو حصوں میں تقسیم کرکے ہندوستان اور پاکستان دو ملک بنادیا،تاکہ یہ دونوں آپس میں لڑتے رہیں۔

گئوکشی کا آسان حل

اکبر بادشاہ کے زمانے سے گئوکشی کا معاملہ متنازع فیہ بنا ہوا ہے۔سب سے آسان حل یہ ہے کہ ملک بھر میں گائے پالنے پر پابندی عائد کردی جائے۔بڑا مشہور مقولہ ہے۔''نہ رہے بانس ،نہ بجے بانسری''۔دودھ کے لیے گائے کی متبادل بھینس موجود ہے۔بالفرض اگر گائے کے دودھ کی ضرورت ہوتو حکومت اپنے زیر انتظام گئوشالہ کھولے اور ہر جگہ دودھ سپلائی کرنے کا انتظام ہو،لیکن عام پبلک کو گائے پالنے کی اجازت ہرگز نہ دی جائے۔اس زمانہ میں بیل کی بھی زیادہ ضرورت نہیں،کیونکہ کھیت جوتنے کے لیے عام طور پر ٹریکٹر(Tractor) کا استعمال ہوتا ہے،نیز بھینسا بھی کھیت جوتنے میں کام آتا ہے۔بکری کا دودھ بھی بہت مفید ہے۔اچھی نسل کی بکریوں کو فروغ دیا جائے ،جو زیادہ دودھ دے سکتی ہو۔ہندوستان کے بعض علاقوں مثلاً راجستھان وغیرہ میں آج بھی گائے بھینس کے ساتھ اونٹ بھی پالے جاتے ہیں۔مارکیٹ میں دیسی مرغیوں کی جگہ پولٹری فارم (Poultry Form) کی مرغیوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔اسی طرح عام پبلک کے لیے گائے کی متبادل جنس مہیا کی جائے۔

ہندوستان میں معاشی بدحالی

15 / اگست ۱۹۴۷ء کو ملک کی آزادی کے بعد اہل وطن کی حکومتیں قائم ہوئیں۔حکومتیں آتی اور جاتی رہیں،لیکن ملکی معیشت، قابل اطمینان حد میں داخل نہ ہوسکی۔آج بھی ملک کا ایک بڑا طبقہ بے روزگاری کی مصیبت جھیل رہا ہے۔عالمی رپورٹ کے مطابق انڈیا وہ ملک ہے،جہاں غریبوں کی تعداد دنیا کے تمام ممالک میں سب سے زیادہ ہے۔آج ہندوستان کی جس ریاست میں جائیں،بھکاریوں کی کثیر تعداد نظر آئے گی۔خواہ مسجد ہو یا مندر، بس اسٹاپ ہو یا ریلوے اسٹیشن،رہائشی علاقہ ہو یا بازار،گلیاں ہوں یا سڑک۔ہر جگہ مسکینوں اور محتاجوں کا وجود ہندوستان کی بدحالی کی داستان سناتا نظر آئے گا۔مرکزی وریاستی حکومتیں ملک میں امن وامان کی بحالی میں مکمل طور پر کامیاب نہ ہوسکیں۔آئے دن فرقہ وارانہ فسادات(Communal Riots) ہوتے رہتے ہیں۔حکومتوں کے فرائض میں مسجد یا مندر کی تعمیر نہیں۔ الیکشن کے وقت خوشنما وعدوں اور طفل تسلیوں کا بازار گرم ہوتا ہے۔فتحیابی کے بعد وعدوں کی ٹوکری، سردخانہ (Cold House) میں رکھ دی جاتی ہے۔

وطن کی عرفی حیثیت ''ماں'' کے مماثل

ملک کو''مادر وطن ''(Mother Land) کہا جاتا ہے۔جب مادر وطن کے بچے کمائیں گے،تب ماں کو خوشحالی نصیب ہوگی۔اگر ماں کے کماؤ پوت کو ہلاک کردوگے تو کمائے گا کون؟ان مہلوکین کے بچوں کو تعلیم دلائے گا کون؟ان بچوں کی کفالت کرے گا کون ؟ان کی بیواؤں کے آنسو پونچھے گا کون؟ان کے ماں،باپ کا آخری سہارا بنے گا کون؟ان بے گناہ یتیموں،بیواؤں اور مجبور والدین کو دیکھ کر مادر وطن کا کلیجہ یقینا دہل جاتا ہوگا۔ان کی آہیں آسمانوں سے ٹکرائیں گی تو قہر الٰہی نازل ہوگا،نہ کہ رحمت الٰہی۔

انکوائری کمیشن کا قیام

جب کبھی ملک میں فرقہ وارانہ فساد ہوتا ہے تو ہندو، مسلم دونوں قوم کے بہت سے لوگ موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ فساد تھم جانے کے بعد نہ ہندوؤں کا کوئی پرسان حال ہوتا ہے، نہ مسلمانوں کا۔ ان مقتولین کے پس ماندگان بے سہارا اور بے یارومددگار دردر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ حکومت ہند ایسے مواقع پر ایک تحقیقاتی کمیشن بنا دیتی ہے، جو مجرموں کی تحقیق کر سکے۔ اس کمیشن کی رپورٹ اتنے سالوں بعد منظر عام پر آتی ہے کہ بہت سے مجرمین دنیا سے جا چکے ہوتے ہیں اور بعض اپنے آپ کو جرم سے بچانے کے لیے طرح طرح کے حیلے، بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ بہت کم لوگوں کو سزا ہوتی ہے، لیکن مقتولین کے وارثین، ان کے یتیم بال بچوں، ان کی بیواؤں، ان کے بے سہارے ماں باپ اور اہل خانہ کی خبر گیری کوئی نہیں کرتا۔

انڈیا کے وزرائے اعظم اور حکمراں پارٹیاں

(۱) جواہر لال نہرو (۱۸۸۹ء-۱۹۶۴ء) مدت: ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء تا ۲۷/ مئی ۱۹۶۴ء (سولہ سال، ۲۸۶/ دوسو چھیاسی دن-کانگریس پارٹی) (۲) گلزاری لال نندا (۱۸۹۸ء-۱۹۹۸ء) مدت: ۲۷/ مئی ۱۹۶۴ء تا ۹/ جون ۱۹۶۴ء (۱۳/ دن-کانگریس پارٹی) (۳) لال بہادر شاستری (۱۹۰۴ء-۱۹۶۶ء) مدت: ۹/ جون ۱۹۶۴ء تا ۱۱/ جنوری ۱۹۶۶ء (ایک سال، ۲۱۶/ دوسو سولہ دن-کانگریس پارٹی) (۴) گلزاری لال نندا (۱۸۹۸ء-۱۹۹۸ء) مدت: ۱۱/ جنوری ۱۹۶۶ء تا ۲۴/ جنوری ۱۹۶۶ء (۱۳/ دن-کانگریس پارٹی) (۵) اندرا گاندھی (۱۹۱۷ء-۱۹۸۴ء) مدت: ۲۴/ جنوری ۱۹۶۶ء تا ۲۴/ مارچ ۱۹۷۷ء (گیارہ سال، ۵۹/ انسٹھ دن-کانگریس پارٹی) (۶) مرارجی ڈیسائی (۱۸۹۶ء-۱۹۹۵ء) مدت: ۲۴/ مارچ ۱۹۷۷ء تا ۲۸/ جولائی ۱۹۷۹ء (دو سال، ۱۲۶/ ایک سو چھبیس دن-جنتا پارٹی) (۷) چرن سنگھ (۱۹۰۲ء-۱۹۸۷ء) مدت: ۲۸/ جولائی ۱۹۷۹ء تا ۱۴/ جنوری ۱۹۸۰ء (۱۷۰/ ایک سو ستر دن-جنتا پارٹی سیکولر و کانگریس پارٹی) (۸) اندرا گاندھی (۱۹۱۷ء-۱۹۸۴ء) مدت: ۱۴/ جنوری ۱۹۸۰ء تا ۳۱/ اکتوبر ۱۹۸۴ء (چار سال، ۲۹۱/ دوسو اکانوے دن-کانگریس پارٹی) (۹) راجیو گاندھی (۱۹۴۴ء-۱۹۹۱ء) مدت: ۳۱/ اکتوبر ۱۹۸۴ء تا ۲/ دسمبر ۱۹۸۹ء (پانچ سال، ۳۲/ بتیس دن-کانگریس پارٹی) (۱۰) وی پی سنگھ (۱۹۳۱ء-۲۰۰۸ء) مدت: ۲/ دسمبر ۱۹۸۹ء تا ۱۰/ نومبر ۱۹۹۰ء (۳۴۳/ تین سو تینتالیس دن-جنتا دل نیشنل فرنٹ) (۱۱) چندر شیکھر (۱۹۲۷ء-۲۰۰۷ء) مدت: ۱۰/ نومبر ۱۹۹۰ء تا ۲۱/ جون ۱۹۹۱ء (۲۲۳/ دوسو تئیس دن-سماجوادی جنتا پارٹی و کانگریس پارٹی) (۱۲) پی وی نرسمہا راؤ (۱۹۲۱ء-۲۰۰۴ء) مدت: ۲۱/ جون ۱۹۹۱ء تا ۱۶/ مئی ۱۹۹۶ء (چار سال، ۳۳۰/ تین سو تیس دن-کانگریس پارٹی) (۱۳) اٹل بہاری واجپائی (۱۹۲۴ء-تادم تحریر) مدت: ۱۶/ مئی ۱۹۹۶ء تا ۱/ جون ۱۹۹۶ء (سولہ دن-بی جے پی) (۱۴) ایچ ڈی دیوے گوڈا (۱۹۳۳ء-تادم تحریر) مدت: ۱/ جون ۱۹۹۶ء تا ۲۱/ اپریل ۱۹۹۷ء (۳۲۴/ تین سو چوبیس دن- جنتا دل یونائیٹیڈ فرنٹ) (۱۵) اندر کمار گجرال (۱۹۱۹ء-۲۰۱۲ء) مدت: ۲۱/ اپریل ۱۹۹۷ء تا ۱۹/ مارچ ۱۹۹۸ء (۳۳۲/ تین سو بتیس دن-جنتا دل یونائیٹیڈ فرنٹ) (۱۶، ۱۷) اٹل بہاری واجپائی (۱۹۲۴ء-تادم تحریر) مدت: ۱۹/ مارچ ۱۹۹۸ء تا ۲۲/ مئی ۲۰۰۴ء (چھ سال، ۶۴/ چونسٹھ دن-بی جے پی NDA) (۱۸، ۱۹) من موہن سنگھ (۱۹۳۲ء-تادم تحریر) مدت

:۲۲/ مئی ۲۰۰۴ء تا۲۶/مئی ۲۰۱۴ء(دس سال،۴/چاردن-کانگریس پارٹی (U P A)
(۲۰)نریندر مودی(۱۹۵۰ء-تادم تحریر)مدت:۲۶/مئی ۲۰۱۴ء تادم تحریر(دوسال،قریباً آٹھ ماہ-بی جے پی NDA)

لوک سبھا الیکشن میں بی جے پی کی کامیابیاں

ساتواں لوک سبھا الیکشن جنوری ۱۹۸۰ء:کل سیٹ:529۔ کانگریس کو 353/سیٹ ملی۔اندرا گاندھی(۱۹۱۷ء-۱۹۸۴ء) کووزیراعظم بنایا گیا۔اس الیکشن میں" بھارتیہ جن سنگھ پارٹی"(BJS)کوایک سیٹ بھی نہ مل سکی۔تب6/اپریل۱۹۸۰ء کو بھارتی جن سنگھ پارٹی نے"بھارتیہ جنتا پارٹی"(BJP)کے نام سے پارٹی کی تجدید کاری کی۔بی جے پی دراصل"بھارتیہ جن سنگھ پارٹی" کا نیا نام ہے۔اٹل بہاری واجپائی کواس پارٹی کا پہلا صدر بنایا گیا۔اس طرح۱۹۸۰ء میں بی جے پی کا قیام ہوا۔

آٹھواں لوک سبھا الیکشن دسمبر۱۹۸۴ء : کل سیٹ:514۔بی جے پی کوصرف 2/سیٹ ملی،جبکہ کانگریس کو 404/سیٹوں پر کامیابی ملی ۔راجیوگاندھی(۱۹۴۴ء-۱۹۹۱ء)کووزیراعظم بنایا گیا۔بی جے پی نے سال۱۹۸۶ء میں اڈوانی کو پارٹی صدر بنا دیا۔اڈوانی نے" رام جنم بھومی تحریک" کے نام پرہندؤں کواکٹھا کرنا شروع کیا اور ایودھیا میں بابری مسجد کی جگہ رام مندر بنانے کا موضوع اٹھایا ۔ ہندوتوا (Hindu Nationalism) کی آواز بھی زوروشور سے بلند کیا۔آر ایس ایس(RSS)، وی ایچ پی(VHP)بجرنگ دل وغیرہ فرقہ پرست قوتیں بی جے پی کے فروغ میں لگی رہیں۔بی جے پی کے لیڈروں نے مذہبی منافرت پھیلا کر ہندؤں کومتحد کرلیا۔

نواں لوک سبھا الیکشن نومبر۱۹۸۹ء:کل سیٹ:529۔ کانگریس کو197/سیٹ پر کامیابی ہوئی۔جنتادل کو143/سیٹ ملی۔بی جے پی کو پہلی مرتبہ 85/سیٹ ملی۔کسی پارٹی کواتنی سیٹ نہ مل سکی کہ وہ اپنی حکومت بنا سکے۔کانگریس نے حکومت سازی سے انکار کردیا،تب جنتادل نے چند پارٹیوں کوملا کر نیشنل فرنٹ (National Front) بنایااور بی جے پی اور بائیں بازو کی پارٹیوں کے بیرونی سپورٹ(Outsige Support)سے جنتادل نے حکومت سازی کی ۔ وی پی سنگھ (۱۹۳۱ء - ۲۰۰۸ء)کووزیراعظم بنایا گیا۔25/ستمبر۱۹۹۰ء کواڈوانی نے بابری مسجد کی جگہ رام مندر بنانے کے لیے سومناتھ مندر (گجرات) سے ایودھیا تک کا"رام رتھ یاترا" نکالا،جس سے ملک بھر میں ہندو،مسلم فسادات (Riots) پھوٹ پڑے۔اڈوانی کو ہندوستان کے اکثر علاقوں (دس ہزار کیلومیٹر) کا چکر لگاتے ہوئے30/اکتوبر۱۹۹۰ء کواجودھیا پہونچنا تھا،لیکن 23/اکتوبر۱۹۹۰ء کوسمستی پور(بہار)میں وزیراعظم وی پی سنگھ کے حکم پرلالو پرساد یادو چیف منسٹر آف بہار نے اڈوانی کوگرفتار کر لیااور وہ ایودھیا نہ جاسکا۔بی جے پی نے جنتادل سے اپنا سپورٹ واپس لے لیا،تب جنتادل کے چندر شیکھر نے کانگریس کے بیرونی سپورٹ سے حکومت سازی کی۔

دسواں لوک سبھا الیکشن مئی وجون۱۹۹۱ء:کل سیٹ:524۔ کانگریس کو232/سیٹ ملی اور بی جے پی کو 120/سیٹ ملی ،جنتادل کو 59/سیٹ پر کامیابی ملی۔کانگریس نے اقلیتی حکومت (Minority Government)بنائی۔پی وی نرسمہاراؤ(۱۹۲۱ء -۲۰۰۴ء)کووزیراعظم بنایا گیا۔اسی کے عہد میں بابری مسجد شہید کی گئی۔

گیارہواں لوک سبھا الیکشن اپریل ومئی۱۹۹۶ء:کل سیٹ:543۔کانگریس کو140/سیٹ ملی۔جنتادل کو46/سیٹ ملی اور بی جے پی نے 161/سیٹ حاصل کیا۔دیگر پارٹیوں کو 129/سیٹ حاصل ہوئی۔صدر جمہوریہ نے بی جے پی کوحکومت

سازی کی دعوت دی۔بی جے پی نے اٹل بہاری واجپائی کو وزیراعظم بنایا،لیکن اکثریت ثابت نہ کرنے کے سبب اٹل بہاری نے 16/ دنوں میں استعفیٰ دیدیا۔کانگریس پارٹی نے حکومت سازی سے انکار کردیا اور جنتادل کو بیرونی سپورٹ (Outsige Support) دینے کا فیصلہ کیا۔جنتادل نے دیگر پارٹیوں کے ساتھ مل کر یونائیٹیڈ فرنٹ (United Front) بنایا اور حکومت تشکیل دی۔ایچ ڈی دیوے گوڈا (۱۹۳۳ء-تادم تحریر) کو وزیر اعظم بنایا گیا، پھر اندر کمار گجرال (۱۹۱۹ء - ۲۰۱۲ء) کو وزیراعظم مقرر کیا گیا۔جب جین کمیشن (Jain Commission) نے رپورٹ میں کہا کہ ڈی ایم کے (DMK) کے بعض ممبر راجیو گاندھی کی ہلاکت میں ملوث تھے تو کانگریس نے یونائیٹیڈ فرنٹ سے اپنا بیرونی سپورٹ (External Support) سال ۱۹۹۸ء میں واپس لے لیا، کیونکہ ڈی ایم کے (DMK) یونائیٹیڈ فرنٹ میں شامل تھی۔سپورٹ واپسی سے گجرال حکومت گرگئی۔

بارہواں لوک سبھا الیکشن فروری ۱۹۹۸ء:کل سیٹ:543۔ بی جے پی کو 182/سیٹ حاصل ہوئی اور کانگریس کو 141/سیٹ ملی۔بی جے پی نے چند پارٹیوں کو ملا کر حکومت بنائی۔۱۹/ مارچ ۱۹۹۸ء کو اٹل بہاری واجپائی (۱۹۲۴ء-تادم تحریر) کو وزیراعظم بنایا گیا۔بی جے پی نے مئی ۱۹۹۸ء میں اپنی حامی پارٹیوں کے ساتھ ایک اتحاد بنایا ،جسے این ڈی اے (National Democratic Alliance) کا نام دیا گیا۔مئی ۱۹۹۹ء میں این ڈی اے میں شامل پارٹی AIADMK کی لیڈر جے للیتا نے اپنا سپورٹ واپس لے لیا،جس کے سبب یہ حکومت گرگئی۔

تیرہواں لوک سبھا الیکشن ستمبر واکتوبر ۱۹۹۹ء :کل سیٹ: 543۔بی جے پی کو 182/سیٹ ملی اور این ڈی اے (NDA) کو کل 303/سیٹوں پر کامیابی ملی۔کانگریس کو 114/سیٹ ملی۔این ڈی اے نے حکومت سازی کی،اٹل بہاری کو حسب سابق بحیثیت وزیراعظم بحال رکھا گیا۔ایل کے اڈوانی کو نائب وزیراعظم اور وزیرداخلہ ((Deputy Prime Minister and Home Minister) بنایا گیا۔اس حکومت نے اپنی پانچ سالہ مدت مکمل کی۔

چودہواں لوک سبھا الیکشن اپریل ومئی ۲۰۰۴ء :کل سیٹ: 543۔بی جے پی کو 138/سیٹ ملی ۔ کانگریس کو 145/سیٹ حاصل ہوئی۔کانگریس نے چند پارٹیوں کے ساتھ مل کر یونائیٹیڈ پروگریسیو الائنس (United Progressive Alliance) بنایا۔بائیں بازو کی پارٹیوں نے بیرونی سپورٹ دیا اور کانگریس کی حکومت ہوئی۔کانگریس پارٹی نے 22/مئی ۲۰۰۴ء کو منموہن سنگھ (۱۹۳۲ء -تادم تحریر) کو وزیراعظم بنایا۔

پندرہواں لوک سبھا الیکشن اپریل ومئی ۲۰۰۹ء :کل سیٹ: 543۔ بی جے پی کو 116/ سیٹ ملی اور کانگریس کو 206/سیٹوں پر کامیابی ملی ۔کانگریس (UPA) نے حکومت سازی کی۔من موہن سنگھ کو حسب سابق وزیراعظم برقرار رکھا گیا۔

سولہواں لوک سبھا الیکشن اپریل ومئی ۲۰۱۴ء :کل سیٹ: کل سیٹ:543۔بی جے پی کو 282/سیٹ ملی۔این ڈی اے (NDA) کو کل 337/سیٹ ملی۔کانگریس کو صرف 44/سیٹ حاصل ہوئی۔بی جے پی کی حکومت بنی اور نریندر مودی (۱۹۵۰ء-تادم تحریر) کو وزیراعظم بنایا گیا۔

اسمبلی الیکشن میں بی جے پی کی کامیابیاں

ریاست اترپردیش:یوپی اسمبلی الیکشن سال ۱۹۹۱ء میں کل اسمبلی سیٹ 419/تھی۔بی جے پی کو 221/سیٹ

پر کامیابی ملی، جبکہ جنتا دل (ملائم سنگھ یادو) کو صرف 92/سیٹ ملی۔ بی جے پی کی حکومت بنی اور کلیان سنگھ کو وزیر اعلیٰ بنایا گیا۔ کلیان سنگھ کے عہد میں 6/دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت واقع ہوئی۔ اس وقت مرکز میں کانگریس کی حکومت تھی اور پی وی نرسمہا راؤ وزیر اعظم تھا۔ تاریخ ہند میں ریاستی اور مرکزی دونوں حکومتوں کو غفلت شعاری کا مجرم تسلیم کیا گیا۔

دھلی: دہلی اسمبلی الیکشن سال ۱۹۹۳ء میں اسمبلی کی کل 70/سیٹوں میں سے بی جے پی کو 49/سیٹ ملی اور کانگریس کو 14/سیٹ ملی۔ بی جے پی نے حکومت بنائی۔

ریاست گجرات: گجرات اسمبلی الیکشن سال ۱۹۹۰ء میں اسمبلی کی 182/سیٹوں میں سے بی جے پی کو 67/سیٹ ملی تھی، جنتا دل کو 70/ اور کانگریس کو 33/سیٹ ملی۔ جنتا دل نے بی جے پی کے ساتھ مل کر حکومت سازی کی۔ جب رام رتھ یاترا کے سبب بہار میں اڈوانی کی گرفتاری ہوئی تو بی جے پی نے جنتا دل سے سپورٹ واپس لے لیا، پھر جنتا دل نے کانگریس کے ساتھ مل کر حکومت سازی کی۔ گجرات اسمبلی الیکشن ۱۹۹۵ء میں بی جے پی کو 121/سیٹ ملی اور کانگریس کو 45/سیٹ ملی، پھر گجرات اسمبلی الیکشن سال ۱۹۹۸ء میں بی جے پی کو 117/ اور کانگریس کو 53/سیٹ ملی۔ بی جے پی نے گجرات اسمبلی الیکشن ۲۰۰۲ء میں 127/سیٹ، سال ۲۰۰۷ء میں 117/سیٹ، سال ۲۰۱۲ء میں 115/سیٹ حاصل کیا۔ نریندر مودی 3/ اکتوبر ۲۰۰۱ء سے 22/مئی ۲۰۱۴ء تک گجرات کا چیف منسٹر رہا۔ نریندر مودی کے عہد میں گجرات ہندو، مسلم فساد فروری و مارچ ۲۰۰۲ء پیش آیا۔ ۱۹۹۵ء سے آج تک گجرات میں مسلسل بی جے پی کامیاب ہوتی رہی، کیونکہ گجرات فساد ۲۰۰۲ء کے بعد گجرات کی قوم ہنود کا ذہن بی جے پی کی طرف مائل ہو چکا تھا۔ جس سیکولر (Secular) ہندو کا کوئی قریبی فساد میں ہلاک ہو جاتا ہے، وہ سیکولر بھی فطری طور پر فرقہ پرست بن جاتا ہے۔ فرقہ پرستوں کو فسادات سے سیاسی فائدہ ہوتا ہے۔ یہ ایک چال ہے، جس پر غور وفکر کرنا چاہئے۔

ریاست مہاراشٹر: مہاراشٹر اسمبلی الیکشن ۱۹۹۵ء میں اسمبلی کی 288/ سیٹوں میں سے بی جے پی کو 65/شیوسینا کو 73/ اور کانگریس کو 80/ملی۔

سیکولر پارٹیوں کی ناکامی = اسباب وعلل کی تلاش

بی جے پی کی مذکورہ بالا کامیابیوں کو دیکھ کر یہی نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ملک ہند میں مذہبی عصبیت کا بخار انسانی دماغوں پر چڑھ چکا ہے۔ اسی وجہ سے سیکولر (Secular) پارٹیوں کا دائرہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ آج بھی قوم ہنود کی اکثریت صالح فکر ہے۔ فرقہ پرست تنظیموں کے دائرۂ اثر میں آ کر گرچہ بعضوں کے نظریات بدل گئے ہیں۔ لیکن کیا ہم نے ملک ہند میں صالح افکار وخیالات اور حقیقی تاریخی روایات کو ہر خاص وعام تک پہونچانے کی کوشش کی؟ اس طوفان بلاخیز میں دین کے ساتھ اہل دین کو بچانے کی فکر بھی کرنی ہوگی۔ آر ایس ایس کے دفاتر ملک میں جا بجا کھل چکے ہیں۔ اب مسلمانان ہند کو سیاسی امور میں دلچسپی لینی ہوگی۔

ووٹوں کی تقسیم اور سیکولر پارٹیوں کا انجام

اسمبلی الیکشن بہار اکتوبر ونومبر ۲۰۱۵ء پر غور کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سیکولر ووٹ تقسیم ہو جانے کے سبب بی جے پی کو کامیابی ملتی ہے۔ ایسی صورت میں ضروری ہو جاتا ہے کہ تمام سیکولر سیاسی پارٹیاں اسی قسم کا اتحاد کریں، جس طرح بہار اسمبلی الیکشن اکتوبر ونومبر ۲۰۱۵ء میں ریاست بہار میں تین بڑی پارٹیوں

نے ''مہا گٹھ بندھن'' (Grand Alliance) تشکیل دیا تھا۔یہ مہا گٹھ بندھن (عظیم اتحاد) راشٹریہ جنتا دل (RJD) جنتا دل یونائیٹیڈ (JDU) اور کانگریس پارٹی (INC) کا اتحاد تھا۔اسمبلی الیکشن میں مہا گٹھ بندھن کو اکثریت حاصل ہوئی۔اسمبلی کی 243/ سیٹوں میں سے آر جے ڈی کو 80/سیٹ ،جے ڈی یو کو 71/سیٹ، کانگریس کو 27/سیٹ ملی۔اس طرح مہا گٹھ بندھن کو کل 178/سیٹ حاصل ہوئی ،جبکہ بی جے پی کو 53/سیٹ ملی۔ہندوستانی عوام مورچہ (HAM) کو ایک سیٹ ،لوک جن شکتی پارٹی (LJP) کو 2/ سیٹ ، راشٹریہ لوک سمتا پارٹی کو 2/سیٹ، دوسری پارٹیوں کو 7/سیٹ ملی۔بہار اسمبلی کے انتخابی نتائج کو دیکھ کر یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ آج بھی ملک ہند میں امن پسندوں کی اکثریت ہے۔اگر سیکولر پارٹیاں متحد ہو کر فرقہ پرستوں کا مقابلہ کریں تو ان کی کامیابی کی مکمل امید ہے۔ووٹوں کی تقسیم کے سبب فرقہ پرست قوتوں کو ابھرنے کا موقع ملتا ہے، جبکہ فرقہ پرست طاقتیں وطن اور اہل وطن دونوں کے لیے یکساں مضر ہیں۔

سیکولر ووٹوں کی تقسیم سے فرقہ پرستوں کی فتحیابی

لوک سبھا الیکشن سال ۲۰۱۴ء میں بہار کی یو پی اے (UPA) پارٹیوں نے الگ الگ انتخاب لڑا تھا۔نتیجہ یہ نکلا کہ سیکولر ووٹ تقسیم ہو گیا اور سال ۲۰۱۴ء کے لوک سبھا الیکشن میں این ڈی اے کو بہار کی 40/لوک سبھا سیٹوں میں سے 31/ سیٹوں پر کامیابی ملی ۔بی جے پی کو 22/سیٹ، لوک جن شکتی پارٹی کو 6/سیٹ اور راشٹریہ لوک سمتا پارٹی کو 3/سیٹ ملی۔اس طرح این ڈی اے (NDA) کو 31/ سیٹ حاصل ہوئی ۔کانگریس کو 2/سیٹ، جے ڈی یو کو 2/سیٹ، آر جے ڈی کو 4/ سیٹ پر کامیابی ملی ۔یعنی یو پی اے (UPA) کو صرف آٹھ سیٹ مل سکی ۔ایک سیٹ نیشنل کانگریس پارٹی (NCP) کو ملی ۔ایک سال بعد ہی سال ۲۰۱۵ء میں بہار اسمبلی الیکشن کے نتائج نے ثابت کر دیا کہ سیکولر ووٹوں کی تقسیم کے سبب این ڈی اے (NDA) کو لوک سبھا الیکشن میں کامیابی ملی تھی۔یہی حال دیگر ریاستوں میں بھی ہوا۔

دہلی اسمبلی الیکشن: سال ۲۰۱۵ء

7/فروری ۲۰۱۵ء کو دہلی اسمبلی کا الیکشن ہوا۔عام آدمی پارٹی (AAP)، کانگریس اور بی جے پی میں مقابلہ آرائی تھی۔اسمبلی کی 70/سیٹوں میں سے عام آدمی پارٹی کو 67 / سیٹوں پر کامیابی ملی ۔بی جے پی کو صرف 3/سیٹ ملی ۔کانگریس کو ایک سیٹ بھی نہ مل سکی۔گرچہ اس الیکشن میں عاپ (AAP) کو کامیابی ملی، لیکن یہ خطرناک طریقہ ہے، جس میں سیکولر ووٹوں کی تقسیم کی وجہ سے شکست کا خطرہ ہے۔بہتر وہی طریقہ کار ہے جو اہل بہار نے اپنایا تھا۔اہل ہند، بہار کا نسخہ اپنائیں تا کہ ملک میں جمہوریت کی بہار آ جائے۔ہند کی دونوں بڑی قوموں یعنی ہندو، مسلم کے مابین یکجہتی اور ملک میں امن وشانتی کا فروغ ہو، اور فساد پسند عناصر شکست کھا کر الٹے قدم پیچھے بھاگیں۔

بی جے پی (BJP) اور آر ایس ایس (RSS) اور ان کے اتحادی گروپ ،ملک کو ہندو راشٹر بنانے کے لیے دستور ہند (Constitution of India) میں تبدیلیاں لانے اندرون خانہ سازشیں کر رہے ہیں۔اگر ریاستی اسمبلیوں میں بی جے پی کو فتحیابی ملتی ہے تو راجیہ سبھا میں بی جے پی کے ممبروں کی تعداد بڑھ جائے گی اور دستور وقوانین میں تبدیلی کی راہ آسان ہو جائے گی۔اس لیے اسمبلی کے انتخابات میں بھی ہوشمندی کے ساتھ فیصلہ کریں۔ہمیں نہ بی جے پی سے دشمنی ہے ،نہ ہی دیگر سیاسی پارٹیوں سے دوستی، لیکن فرقہ پرست قوتیں اسلام اور قوم مسلم کے

خلاف مسلسل زہرافشانی کرتی رہتی ہیں، بلکہ بی جے پی کی حکومت دیکھ کرفرقہ پرستوں کی جانب سے مسلمانوں کی جان ومال اورعزت وآبرو پر بھی حملے ہونے لگتے ہیں،اس کا ضرورہمیں دکھ اور افسوس ہے۔کیابابری مسجد کی شہادت ایک منظم سازش نہ تھی؟ کیا گجرات فساد ۲۰۰۲ء باضابطہ پلاننگ کے تحت نہ ہوا تھا؟تم ہمیں قتل کرو،اور ہم تمہیں اپنا محافظ ونگہبان بنائیں؟ سال ۲۰۱۴ء میں مرکز میں بی جے پی کی حکومت آئی توفرقہ پرستوں نے نعرہ لگایا کہ آٹھ سوسال بعد ملک میں ہندوؤں کی حکومت آئی ہے،حالانکہ یہ جمہوری حکومت ہے۔نہ ہندوؤں کی ہے،نہ مسلمانوں کی۔ملک ہند ایک سیکولر کنٹری (Secular Country) ہے۔دستور ہند میں اس کا نام بھی ہندوستان نہیں، بلکہ انڈیا اور بھارت تحریر کیا گیا ہے۔ دستور ہند کا سب سے پہلا جملہ ہے۔

(1) India, that is Bharat, shall be a Union of States.(The Constitution of India p.2)

کیسا ہوگا آر ایس ایس کا ہندوراشٹر؟

آر ایس ایس (RSS) کا خیال ہے کہ مسلسل کوششوں کے بعد ایک نہ ایک دن انڈیا ایک ہندوراشٹر بن جائے گا،اس کے لیے جہد مسلسل اورسعیٔ پیہم ہورہی ہے۔اگر خدانخواستہ ایسا ہوگیا توسب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو اٹھانا پڑے گا۔ابھی ملک سیکولر ہے، اس کے باوجود قوم مسلم کے داخلی وعائلی مسائل پر تنقیدوں کا بازار گرم کیا جاتا ہے۔فرقہ وارانہ فسادات کے ذریعہ مسلمانوں کی جان ومال عزت وآبرو کو تہس نہس کردیا جاتا ہے۔امن وامان کے زمانہ میں بھی اکثر محکمہ جات میں قوم مسلم کے ساتھ تعصب برتا جاتا ہے۔یہ ایک حقیقت ہے کہ کانگریس پارٹی نے ملک کے سیکولر امیج (Secular Image) کا تحفظ کیا ہے۔سال ۱۹۸۴ء میں اندرا گاندھی کی موت کے بعد کانگریس پارٹی میں بے راہ روی آئی۔بیسویں صدی کے اخیر میں دیگر سیکولر پارٹیوں نے بھی ملک کے سیکولرائزیشن (Secularisation) میں اہم کردار ادا کیا ہے،ان میں نمایاں حیثیت جنتا پریوار کو حاصل ہے۔

آزادی ہند کے بعد تمام سیاسی پارٹیاں یہی یقین کرتی رہیں کہ کانگریس کو شکست دینا بہت مشکل ہے۔سال ۱۹۷۵ء میں ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد جب ۱۹۷۷ء کے لوک سبھا الیکشن میں کانگریس پارٹی ہارگئی ،تب ارباب تعصب کو بڑا حوصلہ ملا کہ کانگریس کو شکست دے کر فرقہ پرست قوتوں کو برسراقتدار لایا جاسکتا ہے۔پھر سال ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۰ء تک فرقہ پرست طاقتوں نے اپنے بال وپر پھیلائے اورانجام کار 6/دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت کے ذریعہ تمام اہل وطن کوایک ایسا پیغام دیا گیا کہ جس کی تعبیر وتشریح صفحہ قرطاس پر رقم کرنے سے بہتر ہے کہ ہرکوئی غوروفکر کرے،تاکہ مستقبل کا خاکہ خود ذہن نشیں ہوسکے۔چند باتیں میں رقم کردیتا ہوں،تاکہ فکرونظر کوایک سمت مل جائے۔سبرامنین سوامی (Subramanian Swamy) نے سال ۲۰۰۰ء میں اپنے مضمون ''دی آر ایس ایس گیم پلان (The RSS Game Plan)'' میں مجوزہ ہندوراشٹر کی تفصیلات رقم کی ہے۔اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔اس سے ظاہر ہوجائے گا کہ کیسا ہوگا ہندوراشٹر؟؟؟

آر ایس ایس کے اسٹوڈنٹس برانچ اکھل بھاتیہ ودیارتھی پریشد (Akhil Bharatiya Vidyarthi Parishad*ABVP) کی کانفرنس منعقدہ اکتوبر ۱۹۹۸ء میں جو ہندوستان کے مستقبل کا مجوزہ پلان پیش کیا گیا،وہ اس طرح ہے کہ ہندوراشٹر میں مرکزی حکومت کی تین سبھا ہوگی،اورایک صدر ہوگا۔صدر (President) کو لوک سبھا

کے ذریعہ منظورشدہ ایک انتخابی کالج (Electoral College) منتخب کرے گا۔ یہ انتخابی کالج پرائمری وسیکنڈری اسکول کے ٹیچرس پر مشتمل ہوگا۔ اس انتخاب کی ذمہ داری ایچ آر ڈی منسٹری (HRD Ministry) پر ہوگی۔ الیکشن کمیشن کا اس میں کچھ کردار نہ ہوگا۔ سبھائیں درج ذیل ہیں۔

(1) ایک گروسبھا (Guru Sabha) ہوگا۔ گروسبھا میں پنڈت اور سنیاسی لوگ (Sadhus and Sanyasis) ہوں گے، جنہیں صدر (President) نامزد کرے گا۔ تمام قوانین کی بل اور رقم کی بل (Money Bills) پہلے گروسبھا میں پیش کی جائیں گی۔ گروسبھا سے پاس ہوجانے کے بعد لوک سبھا میں بھیجی جائیں گی۔ گروسبھا ہی جوڈیشیل کمیشن (Judicial Commission) ہوگی۔ یہی گروسبھا سپریم کورٹ کے ججوں (Judges) کو نامزد کرے گی، اور بوقت ضرورت ان سے مواخذہ کرے گی۔ یعنی سپریم کورٹ بھی گروسبھا کے زیر اقتدار ہوگا۔ (2) گروسبھا اور لوک سبھا کے درمیان ایک رکھشا سبھا (Raksha Sabha) ہوگی۔ اس میں برسر ملازمت فوج کے اعلیٰ عہدیداران اور دیگر ریٹائرڈ فوجی افسران ہوں گے، جو ملک میں ایمرجنسی (Emergency) کے نفاذ کا فیصلہ کریں گے۔ (3) ایک لوک سبھا ہوگی۔ اس طرح ہندوراشٹر میں کل تین مرکزی سبھا ہوگی۔ (Frontline volume 17-Issue 02, Jan.22-Feb.04, 2000)

اسی مضمون میں سبرامنین سوامی نے یہ بھی لکھا کہ آر ایس ایس کا یہ بھی گیم پلان ہے کہ لوک سبھا الیکشن میں ووٹنگ الیکٹرانک مشینوں (EVMs) کا استعمال ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح یہ مشین ہر امیدوار کے ووٹ کو محفوظ رکھتی ہے، اسی طرح یہ مشین ایک امیدوار کے ووٹ کو دوسرے امیدوار کی طرف ٹرانسفر بھی کر سکتی ہے۔ سوامی نے یہ بھی لکھا کہ مجھے شک ہے کہ سال ۱۹۹۹ء کے لوک سبھا الیکشن میں کچھ دھاندلی ہوئی ہو۔ اس کی عبارت (Passage) درج ذیل ہے۔

The RSS game plan also has proposals to bridle the electoral system. Adult suffrage is out, but furthermore, the electoral college for the Lok Sabha will not vote for candidates, but for parties under a List System. Electronic Voting Machines (EVMs) will be used in all the constituencies. Perhaps it is then easier to rig the outcome. After all, in the 1999 general elections, the BJP and its allies won 34 out of the 45 Lok Sabha constituencies which had EVMs. On that ratio, the NDA should have won 405 seats of the 544 Lok Sabha constituencies and not 292. EVMs have to be programmed by an engineer to tabulate the votes in its memory. It can easily be programmed to transfer votes of one candidate to another, or one party to another. The EVMs are entirely unsafeguarded today. I suspect it was rigged in the 1999 general elections.

(Frontline volume 17-Issue 02, Jan.22 -Feb.04, 2000)

ملک ہند میں قوم مسلم کو ایک طاقتور سیاسی قائد کی ضرورت ہے، جو انہیں حقائق سے آگاہ رکھے اور سیاسی قیادت کا فریضہ انجام دے۔ ابھی تو حال یہ ہے کہ قوم، خواب غفلت میں مخمور ہے، انہیں ملک ہند میں قومی مستقبل کا کچھ خیال ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خوابیدہ قوم کو جگانے والا کوئی نہیں۔ عملی اقدام تو دور کی بات ہے، اس سے متعلق تحریر وتقریر بھی دیکھنے سننے کو نہیں ملتی۔ پڑوسی ملک برمالینڈ (Mianmar) کے مسلمانوں کے حالات دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔ واللہ الہادی وہو المستعان

اس کالم میں قارئین و دانشوران ملت کے مختلف مسائل پر خیالات اور حاصل مطالعہ وغیرہ شامل کیے جاتے ہیں۔(ادارہ)

ووٹ ڈالنا ایک انتہائی سنجیدہ فریضہ

از: الحاج حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی جمشید پور

ہمارے ملک ہندوستان میں عام انتخابات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ عام انتخابات کی تاریخوں کے اعلان کے بعد انتخابی مہم زور پکڑتی ہے۔ سیاسی قائدین اور عوام انتخابی جلسوں میں ایک دوسرے کے روبرو ہوتے ہیں۔ پارٹی قائدین یہ بتاتے ہیں کہ بحیثیت عوامی نمائندہ، وہ عوام کے لیے ان کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے، ہمہ جہتی ترقی کے لئے کس طرح کا منصوبہ رکھتے ہیں۔

ہر ووٹ کی اہمیت مسلمہ ہے، رائے دہندوں کی جانب سے حقِ رائے دہی استعمال کرنے سے قبل اپنی پسند کے امیدوار کو چننے کا بھر پور موقع ملتا ہے۔ جمہوریت میں ووٹر ایک اہم مقام رکھتا ہے اور ہر ووٹ کی اہمیت مسلمہ ہے۔ ۱۹۵۱ء میں نافذ ہونے والے قانون کے مطابق حق رائے دہی کی عمر ۲۱ سال تھی جو بعد میں ۱۹۸۸ء میں ۱۸ سال مقرر کر دی گئی۔ ہر وہ فرد جس کی عمر ۱۸ سال ہو جائے اس کو چاہیے کہ وہ بحیثیت ووٹر (رائے دہندہ) اپنے نام کا اندراج کرائے اور انتخابات میں اپنے حق رائے دہی کا استعمال کرے۔

آزاد ہندوستان میں سبھی لوگ ووٹ ڈالنے کے حق کو ہمیشہ ایک ملکی فریضہ کے طور پر دیکھتے ہیں۔ انتخابی مہم کے دوران سیاسی پارٹیوں کی جانب سے ایک دوسرے کے خلاف الزامات اور جوابی الزامات کا سلسلہ چل پڑتا ہے اور تنگ نظری، فرقہ پرستی کی بھی کچھ مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن ہماری وسیع قومی یکجہتی، ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ، بلا لحاظ رنگ و نسل، ہمارا جذبہ اخوت اس پر غالب ہے۔ انتخابی نتائج کے اعلان کے بعد شکست کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیا جاتا ہے اور عوام کے فیصلہ کو ماننا ضروری ہوتا ہے۔

آج کل سیاست کے بازار میں ایسے امیدواروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جو سیاسی طاقت و قوت حاصل کرنے کے لیے ووٹر کو رقم دے کر ووٹ خریدنے میں بھی پس و پیش نہیں کر رہے ہیں۔ امیدوار کھلے عام یہ اعتراف کرتے ہیں کہ ایک اسمبلی سیٹ کے لئے ایک کروڑ، لوک سبھا سیٹ کے لئے دس کروڑ سے زائد انتخابی خرچ آتا ہے۔ جب ایک امیدوار ووٹ کو خریدنے کی پیشکش کرتا ہے اور ووٹر اس کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو کیا ووٹ کی وہ اہمیت مجروح نہیں ہوتی۔ امیدوار ووٹ کی خریداری پر بھاری رقمیں اس لیے خرچ کر رہے ہیں کہ وہ ہر حال میں جیت کر وہ سیاسی قوت و طاقت حاصل کریں جس سے سیاست میں مشغول ہو کر خرچ کردہ روپیہ سے کہیں زیادہ کمائیں اور اپنی تجوریوں کو بھریں۔

اگر کوئی ووٹ ڈالنے کے لیے روپۓ قبول کرتا ہے تو وہ اپنا مستقبل رہن (گروی) رکھ دیتا ہے۔ جمہوریت میں ووٹ ایک

زبردست طاقت رکھتا ہے۔ ۱۹۹۶ء میں صرف ۱۷ ووٹوں سے گجرات میں وڈورا سے لوک سبھا کے لیے ایک نوجوان نے جیت حاصل کی اور اسی طرح ۱۹۸۹ء میں بھی صرف ۹ ووٹوں سے کنڈیڈیٹ کو آندھرا پردیش میں انکا پلی سے لوک سبھا کے لیے منتخب کیا گیا۔ ابھی ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۴ء میں مہاراشٹر کے الیکشن میں ۹ مسلم امیدوار صرف ایک ہزار یا اس سے کم کے فاصلے سے ہار گئے اور بی جے پی کے ۱۴/امیدوار نے صرف ساڑھے چار فیصد زیادہ ووٹ ملنے پر جیت حاصل کی۔

ووٹنگ کے دن کو پکنک ڈے (Picnic Day) نہ بنائیں اپنے ملک، اپنی ریاست کی بقا کے لیے ووٹنگ کے دن کو یوم جمہوریت کی طرح منائیں اور ایسے خواہشمندوں کے حق میں ووٹ ڈالیں جو دولت بٹورنے کی غرض سے نہیں بلکہ قومی اور فلاحی خدمات انجام دینے کے لیے آگے آتے ہیں۔ اپنے قیمتی ووٹ کا استعمال کریں اور انھیں کامیاب کرنے کی کوشش کریں۔ ووٹ کا استعمال ہمارا سنجیدہ فریضہ ہے۔ بہ صورت دیگر ہم جمہوری نظام کی طاقت سے محروم ہو جائیں گے۔ دنیا بھر میں اگر کثرت میں وحدت کی شان کہیں دکھائی دیتی ہے تو وہ ہمارا ملک ہندوستان ہے۔ ہمارا بھائی چارہ، ہماری رواداری، ہماری قومی یکجہتی ہمارا طرہ امتیاز ہے۔ دعا ہے اسے کسی کی نظر نہ لگے۔ اس کی برقراری کے لئے ہندوستانی عوام جدوجہد کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے اور جمہوری نظام کے لئے ووٹنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہیں گے تاکہ ہر طرف امن وسکون کا بول بالا ہو۔ بقول نیلسن منڈیلا ''امن کا مطلب صرف لڑائی ختم ہوجانا نہیں ہے۔ امن تب ہوتا ہے جب سب خوشحال ہوں، بھلے ہی وہ کسی بھی ذات، مذہب، ملک، جنس اور سماج کے ہوں''۔ ہم اس بات کی پرزور کوشش کریں کہ ووٹ ضرور ڈالیں اور ووٹ کا فیصد بڑھائیں۔ پورا کارپوریٹ جگت اس مہم میں لگا ہے اور کیوں لگا ہے یہ اہلِ شعور سے چھپا نہیں ہے اور اس کا فائدہ کس کو مل رہا ہے آپ کے سامنے ہے۔

جمہوری ملک میں ''ووٹ'' ڈالنے کا دن عید کا دن ہے:

جس طرح ہر قوم اپنے اپنے تہواروں میں خوشیاں مناتی ہیں اسی طرح ملک کے ہر باشندے کو جمہوریت کی اس خوشی میں شامل ہونا چاہیے۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ آپ اپنے اس حق کا استعمال اپنی مرضی و ہوش مندی سے کریں بغیر کسی ڈر و لالچ کے تاکہ حکومت بننے میں آپ کی حق رائے دہندگی شامل ہو جیسا کہ اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ کتنے کم ووٹوں سے ہار جیت ہوئی ہے، اتر پردیش کے پچھلے اسمبلی کے الیکشن میں سماج وادی پارٹی کے ۷۰ ایم۔ ایل۔ اے ۵۰۰ یا ۱۰۰۰ ووٹوں کے فرق سے ہار گئے تھے اور ۱۶ ایم۔ ایل۔ اے ۵۰۰۰ سے کم ووٹوں کے فرق سے ہار گئے تھے (حوالہ نارائن دت ترپاٹھی سابق بی بی سی رپورٹر، پروگرام یوپی کا مہابھارت این۔ ڈی۔ ٹی۔ وی)۔

سیکولر ووٹوں کی تقسیم، سخت گیر عناصر کی چاندی:

الیکشن کا اعلان ہوتے ہی ان گنت پارٹیاں سامنے آجاتی ہیں اور سب کی سب غریبوں و مسلمانوں کی فلاح کا دم بھرتی ہیں لیکن ایسا ہے نہیں ایسی پارٹیوں اور ضمیر فروشوں کو ووٹ بانٹنے کے لیے کھڑا کیا جاتا ہے تاکہ جو سخت گیر تنظیمیں کام کر رہی ہیں ان کا مقصد پورا ہو جائے۔ الیکشن کی تاریخوں کا اعلان ہوتے ہی سیاسی حرارت (Tempreture) ساتویں آسمان پر ہے غور کریں کہ اتر پردیش میں ۲۲ سیٹوں پر مسلمانوں کی ۲۰ فی صد سے زائد ووٹرس ہیں اور ۶۰ سیٹوں پر ۳۰ فی صد سے زائد ووٹرس ہیں ایک درجن سیٹوں پر تو ان

کی آبادی ۴۰ سے ۵۲ فی صد تک ہے۔ اس وقت اتر پردیش میں چھوٹی بڑی پارٹیوں کو ملا کر ۱۰۰ سے زیادہ پارٹیاں سرگرم عمل ہیں۔ جن میں سب اہم تین چار پارٹیاں ہی ہیں سماج وادی پارٹی، جس میں گھمسان مچا ہوا ہے۔ بہوجن سماج پارٹی، کانگریس اور بی، جے، پی ہے۔ بی۔ جے۔ پی تو کھلم کھلا ہندووں کے ووٹ کو ایک جٹ کرنے میں لگی ہوئی ہے اس کے لیے وہ کروڑوں روپے خرچ کر کے ریلیاں کرا رہی ہے اور سوشل میڈیا (Social Media) جو اس زمانے کا سپریم پاور ہے اس کا استعمال زبردست طرح سے کر رہی ہے۔ بی۔ جے۔ پی کے یوپی کے ہیڈ کوارٹر میں پورسیل بنا کر سیکڑوں کمپیوٹر اور ٹرینڈ لوگوں کی مدد سے نان اسٹاپ ۲۴ گھنٹے کام کر رہی ہے۔ این۔ ڈی۔ ٹی۔ وی کے رپورٹر کمال خان کے مطابق ۸۰۰۰ سے زیادہ (Twitter,Whatsapp Group , Telegram, You Tube,Instagram) وغیرہ وغیرہ کے ذریعہ زبردست پرچار کر رہی ہے جس طرح اس پچھلے پارلیامینٹ الیکشن میں کیا تھا اس الیکشن میں اس سے زیادہ تیاری و طاقت سے لگی ہوئی ہے اور لاکھ کے قریب راشٹریہ سویم سیوکوں کو ڈور ٹو ڈور (Door to Door) کنوینسنگ کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ آپ کی باتیں جو مین اسٹریم میڈیا (Main Stream Media) میں جگہ نہیں پاسکتی ہیں اسے بڑی آسانی سے فیس بک، ٹیوٹر یا انسٹا گرام وغیرہ کے ذریعہ اپنے لوگوں تک اور پوری دنیا تک سیکنڈوں میں پہنچا سکتے ہیں۔ ہماری ذمہ داری بنتی ہے تمام وہم وگمان کو دل سے نکال کر خوب سوچ سمجھ کر ووٹنگ ضرور کریں اور اپنا حق اس کے ذریعہ لینے کی کوشش کریں۔ آیئے اپنے ملک، اپنی ریاست کے لئے دعا کریں کہ چار سو امن وامان ہو، ترقی ہو، ہر شہری کو اس کا حق ملے اور زندگی خوشحال ہو!

چیلنجوں کا جواب

کام کو زیادہ سے زیادہ پھیلا دینا اور اپنے مزاج اور شوق کی مصروفیت کو کام سمجھ لینا، کیا یہی ہے جدید چیلنجوں کا جواب؟

از: صادق رضا مصباحی مجبئی

عصر جدید نے جب سے اپنے بال و پر پھیلانا شروع کیے ہیں، مسابقت اور مقابلہ آرائی کی ایسی ہوڑ مچی ہوئی ہے کہ انسان پر بس آگے نکل جانے کی دُھن سوار ہے۔ اس مقابلہ آرائی میں اس کے پاس اتنا وقت بھی نہیں کہ وہ پیچھے مڑ کر دیکھے اور اس بات کا جائزہ لے کہ آخر کتنا سفر طے ہوا ہے اور ابھی منزل کتنی دور ہے۔ یہ مسابقہ اور مقابلہ چیلنجوں اور سوالوں کے بطن سے پیدا ہوا ہے اور سب کا منتہاے سفر ''جواب'' کی چوٹی سر کرنا ہے، ایسا جواب جو آج کی نفسیات کے عین مطابق ہو، جو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہو اور جو زمانے کے شانہ بشانہ چلنے کے لائق ہو مگر یہاں سوال یہ ہے کہ اس جدوجہد، دوڑ دھوپ اور محنت ومشقت سے کیا انسان واقعی چیلنجوں کے جواب کی طرف بڑھ رہا ہے؟

اس عنوان پر اب تک نہ جانے کیا کیا کہا گیا اور نہ جانے کتنا کچھ سنایا گیا مگر واقعہ یہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں آج بھی جدید چیلنجوں کے جواب کا معنی ومطلب واضح (Clear) نہیں ہوسکا ہے۔ مسابقہ اور مقابلہ بلاشبہہ نیک عمل ہے بشرطیکہ

نیت میں خیر ہو لیکن ایک بات ذہن میں رہے کہ نیا زمانہ جو مطالبات ہمارے سامنے رکھتا ہے تو ہمیں محض ان کا جواب دینا ہوتا ہے، اُسے اِس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ ہم اس کا جواب کیسے دیتے ہیں، اس کے لیے کیا تیاری کرتے ہیں اور کن حالات سے گزرتے ہیں ۔چیلنج یہ بھی نہیں دیکھتا کہ جواب کی تلاش اور مسائل کے حل کے لیے کتنا سفر طے کیا گیا ہے بلکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ وہ سفر کتنا نتیجہ خیز اور بافیض رہا۔مثلاً اگر آپ صبح سے شام تک کوئی بھی محنت کا کام کرتے رہیں اور شام کو جب اس کا فائدہ اور نتیجہ شمار کرنے بیٹھیں تو پتہ چلے کہ ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔ مجھے بتائیے کیا ایسی محنت کسی کام کی ہے؟۔آپ کا ذہن و دماغ تھک بھی گیا، جسم بھی شل ہو گیا، قویٰ بھی مضمحل ہو گئے اور وقت جیسی قیمتی شئی کی بربادی اس پر مستزاد مگر پھر بھی آپ کی محنت رائیگاں چلی گئی۔اصل کام خالی مصروفیت نہیں بلکہ ایسی مصروفیت ہے جو آخر میں نتیجہ بھی دینے والی ہو مگر یہ بات کس اسلوب میں سمجھائی جائے کہ محض مصروفیات کو کام نہیں کہتے۔اپنے جذبات اور مزاج کی پرورش کو کام نہیں کہتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم کام کے زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ کو عصر حاضر کے چیلنجوں کا جواب سمجھتے ہیں۔ہم مسائل کے حل کے لیے وسائل بھی خوب سے خوب تر حاصل کر لیتے ہیں اور انھیں زیر استعمال بھی لے آتے ہیں مگر دل پر ہاتھ رکھ کر ہمیں کوئی بتائے کہ ان کے ذریعے کتنے فی صد جدید سوالات کے جوابات دیے جا چکے ہیں؟ جب تک مرض کی تشخیص نہ ہو، علاج اگر ہوگا بھی تو بے فائدہ ہوگا اور اگر مرض کی تشخیص ہو بھی گئی مگر مریض کو اس کے مطابق دوا نہ دی گئی تو بھی مریض کبھی صحت مند نہیں ہو سکتا۔

عصر حاضر کے سوالات کے جوابات کے لیے اتنے وسائل کی ضرورت نہیں ہے جتنی ہم سمجھ رہے ہیں۔ہم حسب استطاعت کام کریں، چھوٹی چھوٹی سطح پر کام کریں، اپنے اپنے طور پر قدم آگے بڑھائیں مگر جو بھی کام ہو، مضبوط ہو، ٹھوس ہو، پائیدار ہو، مختصر ہو مگر جامع ہو، دوررس ہو، نتیجہ خیز ہو، بافیض ہو تو پھر یہی مختصر اور ٹھوس کام جواب بن کر کھڑا ہو جائے گا۔ہمارے سامنے سب سے بڑا مرحلہ افراد سازی کا ہے اور اس کے لیے اسٹرکچر کی اب کوئی خاص ضرورت نہیں کیوں کہ اسٹرکچر اب پہلے سے زیادہ موجود ہے اور بہتر انداز میں موجود ہے۔اسٹرکچر کا شکوہ پہلے کیا جاتا تھا مگر اب نہیں کیوں کہ اب ہمارے سامنے پہلے کی بنسبت بہت زیادہ مدارس ہیں مراکز ہیں اور افراد کی بھیڑ بھی ہے مگر کیا وجہ ہے کہ سوالات گھٹنے کے بجائے بڑھتے ہی جا رہے ہیں اور روز بروز ان کی نوک خطرناک ہوتی جا رہی ہے۔ اس لیے ضرورت صرف اور صرف اس بات کی ہے کہ پھیلاؤ سے زیادہ مضبوطی پر توجہ دی جائے اور توسیع سے زیادہ استحکام پر قوت صرف کی جائے۔اگر استحکام نہیں محض توسیع ہی توسیع ہے تو پھر ہم زمانے کا ساتھ کبھی نہیں دے سکتے۔بس یہی مطلب ہے عصری تقاضوں کے چیلنجوں کے جواب کا۔ ٹھنڈے دل سے غور کرنے اور رفتار زمانہ کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے آج تک بالعموم چیلنجوں کو FACE کیا ہی نہیں، ہم نے آج تک مقابلہ کیا ہی نہیں، ہم نے دعوتِ مبارزت قبول کی ہی نہیں۔ہم چیلنجوں کے جواب کے نام پر سوالات قائم کرتے رہے، غلط فہمیاں بڑھاتے رہے، اضطراب کی لو تیز کرنے میں لگے رہے اور یہ سب اتنی کثرت سے کیا گیا کہ ہر طرف سوالات اور غلط فہمیوں کا جنگل سا اُگ آیا۔جسے بھی تھوڑا سا ''شعور'' حاصل ہوتا ہے تو فوراً وہ اپنی تنظیم، اپنا ادارہ، اپنا گروپ اور اپنا اسکول، اپنا مدرسہ بنانے کی فکر میں غلطاں و پیچاں نظر آتا ہے اور پھر المیہ یہ کہ وہ اسی کو کام سمجھتا ہے۔قرآن کریم کی زبان میں اسے تحزب (سورۃ المومنون: آیت ۵۳) کہتے ہیں۔گویا اب ہر ایک کی اپنی اپنی ڈفلی ہے اور اپنا اپنا راگ۔بہت سے اداروں کے اپنے

اپنے تعلیمی نصاب ہیں حتیٰ کہ بعض چھوٹی چھوٹی تنظیموں اور چھوٹے چھوٹے اداروں نے بھی اپنا تعلیمی نصاب مرتب کرر کھا ہے اوران کے پاس جتنے بچے ہیں اُس نصاب کو پڑھنے پر مجبور ہیں۔کیا یہی ہے جدید چیلنجوں کے جواب کا مطلب؟

تقریروں اور کتابوں کا انبار سا لگ چکا ہے مگر غلط فہمیاں ہیں کہ کم ہی نہیں ہوتیں، ایسا لگتا ہے کہ اب پڑھے ہوئے مصنف کم ہوتے جارہے ہیں اور لکھے ہوئے مصنفوں کی باڑھ سی آ گئی ہے۔کیا یہی ہے جدید چیلنجوں کے جواب کا مطلب؟

کالجوں، مدرسوں اوراداروں کی خوب صورت عمارتیں دور دور تک پھیلی نظر آتی ہیں، ان کی جاذبیت دامن دل کھینچتی ہے، نئے نئے شعبے، نت نئے ڈی پارٹ مینٹ وجود میں آئے اورآتے ہی جارہے مگر سوال ہیں جوختم ہی نہیں ہورہے، چیلنج ہے جو ہرآن سر پر برہنہ تلوار لیے کھڑا ہے۔کیا یہی ہے جدید چیلنجوں کے جواب کا مطلب؟

ایسی ایک نہیں درجنوں مثالیں ہیں جو جواب کی تلاش میں سرگرداں ہیں مگر جواب اب بھی ان کی دسترس سے بہت دور ہیں اور شاید دور ہی رہیں گے۔یہی وجہ ہے ایک مسئلہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا شروع ہوجاتا ہے۔یہاں ایک بات اور یاد رکھنے کے لائق ہے ۔ہم جن چیزوں کو مسائل سمجھ کران کو حل کرنے میں اپنی پوری توانائی اورقوت ضائع کر دیتے ہیں اوران کی وجہ سے حقیقی مسائل اور حقیقی چیلنجوں سے آنکھیں موند لیتے ہیں، وہ دراصل مسائل نہیں انسانی زندگی کی حقیقتیں ہیں جو مرتے دم تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتیں، یہ مسائل فطری ہوتے ہیں اس لیے ان کا حل بھی فطری ہی ہے۔یہ مسائل ہمارے بھگانے سے نہیں بھاگتے، یہ ہمیشہ ساتھ چلتے ہیں۔یہ مسائل کبھی ختم نہیں ہوتے بلکہ خود ختم ہوجاتے ہیں۔اس لیے فطری مسائل کا جواب تلاش کرنا اور حقیقی مسائل سے آنکھیں موند لینا، کیا یہی ہے جدید چیلنجوں کے جواب کا مطلب؟ ہر سال ملک کے بہت سارے مدرسوں سے بیک وقت کئی سو طلبہ فارغ ہوتے ہیں مگر وہ کتنے کھرے ہیں اور کتنے کھوٹے۔؟ ہمارے ذمے داران مدارس کو بالعموم اس سے کوئی بحث نہیں ہوتی۔ کیا یہی ہے جدید چیلنجوں کے جواب کا مطلب؟

بہت سارے اسکولوں، کالجوں اور مدرسوں میں دیکھا گیا کہ جدید چیلنجوں کے جواب کے جذبے میں شعبہ کمپیوٹر کا اضافہ تو بڑے شوق سے کیا گیا اور جیسے تیسے کمپیوٹر مع اپنے لوازمات کے لاکرر کھ دیے گئے مگر وہ اب تک آس لگائے منتظر ہیں کہ کوئی آئے اورہمیں استعمال کرے، کبھی دس پندرہ دن اور مہینے دو مہینے میں ایک بار تھوڑی دیر کے لیے برائے نام کسی کو اجرت پر رکھ کر طلبہ کو کمپیوٹر سکھا دیا جاتا ہے اور بس۔کیا یہی ہے جدید چیلنجوں کے جواب کا مطلب؟

جناب عالی! اسے مسائل کا حل نہیں کہتے، اسے جدید چیلنجوں کا جواب نہیں کہتے، بلکہ اسے آنکھوں میں دھول جھونکنا کہتے ہیں۔

یادرکھنا چاہیے کہ اصل حل توسیع نہیں استحکام ہے۔اصل حل اپنی ضرورت کی تکمیل نہیں، مخاطب اور زمانے کی ضرورت کی تکمیل ہے۔ جدید چیلنجوں کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے مخاطب کی پسند کا خیال رکھیں، اس کے ذوق کا پاس رکھیں، یہ نہیں کہ ہم اپنی پسند کو اس کی پسند پر زبردستی تھوپنے کی کوشش کریں اور اپنے تئیں یہ سمجھ لیں کہ ہم نے بہت بڑا کام کر دیا۔جواب کا مطلب یہ نہیں کہ جو ہمیں پسند ہے تو وہی سبھی کو پسند ہے، جو چیز ہمیں اچھی لگتی ہے تو وہ سبھی کو اچھی لگتی ہے۔اگر واقعی چیلنجوں کا جواب دینا ہے تو سب کی پسند کو اپنی پسند بنایا جانا چاہیے، مخاطب کا خیال رکھنا چاہیے، دماغ کی کھڑکیاں کھلی رکھنی چاہیے۔چیلنجوں کے جواب کے لیے اپنی

ضرورت اور اپنی پسند کی گھس پیٹھ نہیں کی جانی چاہیے۔ اپنی ضرورت کو زمانے کی ضرورت سمجھ لینا اور اپنے مزاج اور ذوق کو زمانے کے ذوق ومزاج سے ہم معنی قرار دینا دانش مندی نہیں، اسے خوش فہمی کہتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ خوش فہمی سے زیادہ بڑی غلط فہمی آج تک ایجاد نہیں ہوئی۔ کیا خیال ہے آپ کا؟

الزامات اور غلط فہمیاں

از: مولانا ماہ زماں نوری

ملک بھر میں کئی دہائیوں سے شور مچایا جا رہا ہے کہ مسلمان چار شادی کرتا ہے اور چالیس بچے پیدا کرتا ہے۔ شاید ایک لاکھ مسلمانوں میں چالیس شخص بھی ایسے نہ مل سکیں گے، جنہوں نے چار شادی کی ہو۔ ہاں، اسلامی شریعت میں چار شادیوں کی اجازت ضرور ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ اہل عرب بہت سی شادیاں کر لیتے، پھر بیویوں کے حقوق کی ادائیگی نہیں کرتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بیویوں کی ایک تعداد مقرر فرمادی۔ پس اس طرح اسلامی شریعت نے بے شمار بیویوں کی تعداد گھٹا کر چار تک محدود کر دی۔ چونکہ ہندوستان میں قدیم زمانہ سے ہندو مذہب رائج رہا اور ہندو دھرم میں صرف ایک بیوی رکھنے کا رواج رہا ہے، اس لیے چار بیویوں کا معاملہ ہندوؤں کو ابتدائی مرحلہ میں کچھ عجیب سا لگا ہوگا۔ لیکن مسلمانوں کی آمد کے بارہ/ تیرہ سو سال بعد تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ خود ہندوؤں نے شادی شدہ مسلم بادشاہوں، حکمرانوں اور نوابوں سے اپنی بیٹیوں کی شادیاں کیں۔ ہندوؤں کی بیٹیاں دوسری بیوی بنیں۔ اکبر بادشاہ ہی کی تاریخ پڑھ لیں، جس کو ہندو ایک بہترین بادشاہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے محل میں ہندو لڑکی، دوسری بیوی کے طور پر موجود تھی۔ جب ملک میں مسلمانوں کی بادشاہت تھی تب خود ہندوؤں نے اپنی لڑکیاں شادی شدہ مسلم حکمرانوں سے بیاہ کر اپنی بیٹیوں کو دوسری بیوی بنایا۔ آج مسلم بادشاہت ختم ہوگئی تو اسی معاملہ کو قابل اعتراض ٹھہرایا جا رہا ہے، جس کو عہد ماضی میں خود یہ لوگ انجام دے چکے ہیں۔

جہاں تک چالیس بچوں کا سوال ہے تو بتایا جائے کہ پورے ہندوستان بھر میں اس وقت کون مسلمان ہے، جس کو چالیس بچے ہیں۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ بچوں کی پیدائش انسان کی مرضی پر منحصر نہیں کہ جتنے بچے چاہیں، پیدا کر لیں۔ بعض لوگ دو شادی کرتے ہیں، پھر بھی بے اولاد رہتے ہیں۔ ڈاکٹروں، حکیموں، جوگیوں، پنڈتوں، پادریوں، مندروں، گوردواروں اور چرچوں میں گھوم پھر کر تھک جاتے ہیں۔ پانی کی طرح روپئے بہاتے ہیں لیکن اولاد نہیں ہوتی۔

ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک قرار دینا بھی بالکل عجیب سی بات ہے۔ اگر ایک مجلس میں کسی کو تین پتھر مارے جائیں تو تین پتھر اس کے جسم پر لگیں گے۔ اسی طرح ایک ایک پتھر تین آدمی کو مارے جائیں تو تین آدمی زخمی ہوں گے۔ اگر ایک مجلس میں کوئی آم کے درخت سے تین آم توڑے تو کیا ایک ہی آم اس کے ہاتھ لگے گا؟ ایک مجلس میں کسی نے تین روٹی کھائی تو کیا اسے ایک ہی روٹی قرار دی جائے گی۔ اگر ایسا ہو جائے تو سارے ہوٹل بند ہو جائیں۔ آدمی تین کھائے اور ایک کی رقم ادا کرے۔ بس یہی کہا جا سکتا ہے۔ ع/ عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے۔

وفیات

گھوسی کی بزرگ علمی شخصیت حضرت علامہ قمرالدین قمر اشرفی کا انتقال

آپ نے پوری زندگی دینی علوم وفنون کے ترویج واشاعت میں گذار دی

از: امیر الدین شمسی گھوسی ضلع مئو

گھوسی کی بزرگ علمی شخصیت حضرت علامہ ومولانا قمرالدین قمر اشرفی کا طویل علالت کے بعد یکم فروری ۲۰۱۷ بروز جمعرات بوقت شب ۹ر بجے انتقال ہو گیا۔ دوسرے دن بعد نماز ظہر ۳ر بجے دن میں مانک پوراسا نہر کے پاس واقع باغیچہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ آپ کی نماز جنازہ الجامعۃ الاشرفیہ کے صدر المدرسین وصدر شعبہ افتاء محقق مسائل جدیدہ سراج الفقہاء حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی نے پڑھائی۔ اس کے بعد مانک پوراسا گاؤں میں واقع ان کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ اشرفیہ غوثیہ کے صحن میں ہزاروں سوگواروں نے چشم پرنم کے ساتھ سپرد خاک کیا۔ آپ کے انتقال سے علماء گھوسی کے سلسلۃ الذہب کی ایک اور کڑی ٹوٹ گئی۔ آپ کی پیدائش یکم جولائی ۱۹۳۹ کو کریم الدین پور گھوسی میں ایک غریب بنکر خاندان میں ہوئی ۔آپ کے والد کا نام محمد رفیع اور والدہ الفت تھیں۔ ابتدائی تعلیم آپ ایک زبردست عالم باعمل تھے درس وتدریس ہی آپ کا مشغلہ تھا۔ تادم حیات دینی علوم وفنون کی ترویج واشاعت میں اپنی زندگی گذار تھی آپ منکسر المزاج اور سادہ خورد ونوش کے آدمی تھے کبھی بھی زرق، برق اور نام ونمو نہیں کیا کام کرنا جانتے تھے۔ مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں آپ نے ۲۸ر سال تک تدریسی فرائض انجام دیے۔ جب تک آپ شمس العلوم میں رہے یہاں کا تعلیمی معیار کافی اونچا تھا۔ ۱۹۶۲ سے تادم حیات جامع مسجد کریم الدین پور گھوسی کے امام جمعہ رہے اور حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد عیدگاہ کریم الدن پور میں امام عیدین رہے۔ آپ سرکار کلاں سید مختار اشرف سے بیعت تھے ۱۹۹۹ میں پہلا حج کیا دوسرا حج ۲۰۱۱ میں اور جنوری ۲۰۱۵ میں عمرہ کی سعادت حاصل کی۔ آپ کی ذات مرجع خلائق تھی۔ ایک عالم ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے سکھ دکھ میں شریک ہوتے، میت کی تجہیز وتکفین اور غسل دینے کا کام کرتے۔ نیپال میں آپ نے کافی دینی خدمات انجام دی ہے اور کافی تعداد میں وہاں کے لوگ آپ کے مرید ہیں آپ کے پسماندگان میں بیوہ کنیز فاطمہ اور تین لڑکے مولانا جمال اختر اشرفی، مولانا کمال اختر اشرفی، بلال اختر اور چار بہنیں شامل ہیں

آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ شمس العلوم واقع کریم الدین پور بگہی سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دار العلوم اشرفیہ مبارکپور تشریف لے گئے اس کے بعد حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ کے ساتھ دار العلوم شاہ عالم گجرات تشریف لے گئے اور وہیں سے ۱۵ر شعبان ۱۳۷۵ ہجری میں سند فراغت حاصل کی اس کے بعد تدریسی میدان میں قدم رکھا۔ سب سے پہلے مدرسہ قادریہ گجرات میں بحیثیت صدر المدرسین تشریف لے گئے پھر مدرسہ فضل رحمانیہ پچپڑوا، ۱۹۵۹ میں مدرسہ شمس العلوم گھوسی، ڈیڑھ سال بعد مدرسہ اشرفیہ احسن المدارس قدیم کانپور، پھر سید العلوم بڑی تکیہ بہرائچ، اس کے بعد ندائے حق ٹانڈہ تشریف لے گئے۔ ۱۹۷۳ میں دوبارہ شمس العلوم گھوسی آئے اور یہیں سے صدر المدرسین کے عہدہ سے ۱۹۹۹ میں ریٹائر ہوئے۔ اس

کے بعد گھر بیٹھنا گوارانہ کیا درس وتدریس کا مشغلہ جاری رکھنے کے لیے مدرسہ عزیزیہ مظہر العلوم نچلول بازار تشریف لے گئے۔دوسال بعد مدرسہ منظرحق ٹانڈہ میں تدریسی خدمات انجام دی۔پھر وہاں سے مدرسہ غریب نواز ڈومریا گنج ضلع بستی میں درس دیا اس کے بعد مدرسہ غوثیہ حضوریہ سریاں شریف ضلع اعظم گڈھ میں تادم حیات شیخ الحدیث رہے آپ کی تدریسی زندگی کا بیشتر حصہ مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں گذرا جہاں آپ نے زبردست علمی خدمات انجام دی۔اور علما کی ایک فوج تیار کی،گھوسی کی علمی تاریخ میں آپ کا نام زریں حرف سے لکھا جائے گا۔درس وتدریس کے علاوہ گھوسی کے سماجی کاموں میں بھی حصہ لیتے پیدائش،موت،خوشی،غمی ہرطرح کی تقاریب میں آپ کی موجودگی ہوتی۔سماجی برائیوں کے خلاف جامع مسجد اور دیگر مقام پر تقریریں کرتے۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے۔سادہ غذا،سادہ پوشاک،سادہ زبان آپ کا طرہ امتیاز تھا،اور انھیں اوصاف کو اپنے تلامذہ سے اختیار کرنے کی تلقین بھی کرتے۔زبردست عالم ہونے کے باوجود پوری زندگی درویشانہ طرز پر گذار دی۔سرکار کلاں سید مختار اشرف علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے اور سید مصطفی اشرف علیہ الرحمہ نے خلاف واجازت سے نوازا،سید محمد اجمل حسین اشرفی اور سید اظہار اشرف اشرفی،سید حامد اشرف نے بھی آپ کو خلافت واجازت مرحمت فرمائی۔آپ کے اساتذہ میں حافظ ملت علامہ عبدالعزیز،علامہ عبدالمصطفی اعظمی،شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی،علامہ حافظ عبدالرؤف،شیخ العلماء علامہ غلام جیلانی،علامہ سمیع اللہ امجدی،علامہ قاری محمد یحیی علیہم الرحمہ شامل ہیں۔

ہمارے گلشن کا ایک پھول جو مرجھا گیا

شہزادۂ عالی مرتبت خادم علم وحکمت حضرت مولانا منیف رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۹۹۱ء-۲۰۱۶ء) عالم کبیر فاضل شہیر حضرت علامہ حنیف خاں رضوی بانی امام احمد رضا اکیڈمی (بریلی شریف) وصدر المدرسین جامعہ نوریہ (بریلی شریف) کے فرزندار جمند تھے۔آپ حافظ وقاری اور جامعہ نوریہ رضویہ (بریلی شریف) سے شعبہ فضیلت کے فارغ التحصیل تھے۔شہزادۂ موصوف نے فتاویٰ رضویہ کی جدید طباعت واشاعت میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔مولانا مرحوم نے فتاویٰ رضویہ مترجم کی ۲۲/جلدوں میں حسن وآرائش اور ترتیب وسیٹنگ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ان کی ذات گرامی سے اہل سنت وجماعت کو مزید اشاعتی خدمات کی امیدیں وابستہ تھیں۔لیکن مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔شہزادۂ عالی وقار ۲۷/ربیع الاول ۱۴۳۸ء مطابق ۲۷/دسمبر ۲۰۱۶ء کو وصال فرما گئے۔ادارہ پیغام شریعت کے تمام ارکان وممبران مولانا موصوف کی وفات پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں۔رب تعالیٰ مولانا مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے،اور ہمیں ان کا بدل عطا فرمائے۔ناشر رضویات ومحقق اسلامیات حضرت علامہ حنیف خاں رضوی دام ظلہ العالی ودیگر تمام اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

از: محمد قاسم القادری مصباحی (دہلی)

اشرف العلما مفتی اشرف القادری کی رحلت ملت کیلئے عظیم سانحہ

ہندو نیپال کی سرحد پر واقع بستی ''ننیہی'' جو نیپال کے ضلع مہوتری کے تحت واقع ہے اس بستی میں اپنی زندگی کی اکثر یادوں کو چھوڑ کر آج بروز بدھ ۲۵ جنوری کو ملت کے ایک عظیم رہنما حضرت اشرف العلما شیخ طریقت مفتی اعظم نیپال الشاہ مفتی اشرف القادری تیغی علیہ الرحمہ دار فانی سے رخصت ہو گئے۔آپ کی پیدائش ۱۳۷۱ھ میں مذکورہ بستی میں ہوئی،آپکا خاندان آباواجداد سے معزز شمار کیا جاتا رہا ہے،حضرت مفتی اشرف القادری ایک منکسر المزاج شخصیت مالک تھے،لباس میں سادگی اور متانت ہوتی،آپکو دیکھنے کے بعد عام آدمی کو آپکی علمی گیرائی کا احساس بھی نہیں ہوتا،ہمہ وقت ایک چٹائی اور اس پر ایک دری ہوتی جس پر آپ جلوہ بار رہا کرتے تھے اور اپنے

مریدین، متوسلین کی فریاد سنتے انکی اصلاح فرماتے لباس وضع میں ذرہ برابر بھی تصنع نہیں ہوتا، درس وتدریس، افتا وقضا، تصنیف وتالیف شعروادب سے گہرا لگاؤ تھا، تاریخ وسیر، عقائد، فقہ، تفسیر، حدیث، عربی ادب جیسے علوم فنون میں اپنی یادگار تصنیفیں قوم وملت کے حوالہ کیا، درس نظامی کی کئی اہم کتابوں کی مبسوط اور اہم شرحیں تصنیف فرمائی، ان میں جماعت فضلیت کی فن تفسیر کی مشہور کتاب ''تفسیر بیضاوی'' کی شرح ''الفیض السماوی''، عقائد کی معرکۃ الآرا کتاب ''شرح عقائد'' کی شرح ''الشرح النوری'' فن مناظرہ کی واحد شامل درس کتاب ''مناظرہ رشیدیہ'' کا ایک خلاصہ، اور شرح الوقایہ کی شرح شامل ہیں، مکمل ۳۳ر کتابیں آپنے تصنیف فرمائی، پورے ملک نیپال میں اتنی کثیر اور گراں قدر تصنیفات آپکے علاوہ کسی دوسری شخصیت کے نام نہیں ملتی، حالانکہ آپ کافی مصروف زندگی گزارتے تھے، تبلیغ ورشد وہدایت کا سلسلہ بھی موقوف نہیں ہوتا، افتا وقضا کی اہم ذمہ داری بھی بخوبی انجام دیتے تقریباً ایک ہزار سے زائد فتاوے آپ نے رقم کئے، آپ علمی حلقہ میں اپنے تبحر علمی، دقیقہ سنجی کے سبب ''اشرف العلما'' ''بدرالافاضل'' جیسے اعلی القابات سے متعارف تھے، آپ مفتی اعظم ہند علامہ مصطفی رضا خاں علیہ الرحمہ سے بیعت رکھتے تھے، اور سلسلہ تیغیہ کے مشہور بزرگ حضرت جلالۃ الارشاد صوفی نمازی تیغی علیہ الرحمہ سے خلافت وحاصل اجازت تھی، آپ بیعت وارشاد سلسلہ تیغیہ میں کیا کرتے تھے، آپکی ہی کے کوششوں سے نیپال اور اسے کے قرب جوار میں سلسلہ آبادانیہ فریدیہ تیغیہ کا فروغ ہوا۔

تعلیم: درس نظامی کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم سیتامڑھی کے ایک معروف بستی ''باڑا'' کے مدرسہ شمس العلوم میں حضرت محدث جلیل علامہ الیاس رضوی تیغی رحمہ اللہ علیہ (برادر کبر حضرت شیخ طریقت طبیب ملت حافظ اخلاق احمد نوری یوسفی تیغی کھرساہا شریف وخلیفہ اول حضرت جلالۃ المشائخ صوفی شاہ یوسف تیغی علیہ الرحمہ) کے زیر سایہ کرم ہوئی چونکہ حضرت محدث جلیل بھی ایک صوفی اور شیخ طریقت تھے اس لئے آپنے اپنے اس شاگرد رشید کو اعلم ظاہری کے علاوہ علم باطنی کی بھی تعلیم دیتے رہے، حضرت اشرف العلما علیہ الرحمہ نے باڑا میں مکمل ۳سال تک حضرت محدث جلیل علامہ الیاس رضوی تیغی علیہ الرحمہ سے استفادہ کیا چینی پھر مظفر پور، مقصود پور جامعہ قادریہ میں داخلہ لیا اور یہاں بھی ۳ر سالوں تک جید علمائے کرام سے اپنی علمی تشنگی بجھاتے رہے۔ درجات عالیہ کے لیے ازہر ہند جامعہ اشرفیہ مبارکپور حاضر ہوئے اور حضرت بحر العلوم علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ سے تفسیر جلالین، حضرت قاضی شفیع احمد علیہ الرحمہ سے ملاحسن، اور شرح عقائد نسفی، حضرت علامہ ضیاء المصطفی قادری حفظہ اللہ سے مشکوۃ المصابیح مختصر المعانی، اور میر زاہد پڑھی، اور حافظ ملت کی علمی مجلسوں سے خوب خوب استفادہ کیا، جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں مدت تعلیم ایک سال رہی، پھر اسکے بعد فضیلت کی تکمیل کیلئے حضرت علامہ معین الدین اشرفی کا علمی شہرہ سن کر جامعہ عربیہ سلطان پور، یوپی تشریف لائے اور یہاں حضرت علامہ معین الدین علیہ الرحمہ سے بخاری شریف، اور امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین پورنوی علیہ الرحمہ سے بیضاوی شریف پڑھی، ۱۳۹۴ھ میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

میدان عمل: فراغت کے بعد نیپال کی ایک معیاری درسگاہ مدرسہ ''اصلاح المسلمین'' بھمرپورہ، میں استاد کی حیثیت تقرری ہوئی، یہاں مشکوۃ، ہدایہ، جلالین، تک درس دیا، پھر دار العلوم قادریہ رشیدیہ جلیشور، میں بحیثیت صدر المدرسین ومفتی تشریف لائے، اور یہاں طویل عرصی تک اپنی اعلی خدمات سے طالبان علوم نبویہ کو خوب خوب سیراب کیا، بعدازاں، مظفر پور کی مشہور درسگاہ ''مدینۃ العلوم'' پھکولی تشریف لے گئے، ۱۴۱۶ھ تک اپنی گراں قدر تدریسی خدمات سے متلاشیان علوم نبویہ کی تشنگی بجھائی۔

خانقاہ تیغیہ ''دینھی'': درس وتدریس کے ان تمام ادوار میں آپ اپنی بے پناہ صلاحیت کے سبب قرب وجوار میں کافی مشہور ومقبول ہوئے، اور علمی حلقہ میں قدرداں ہو گئے، سینکڑوں کی تعداد میں تلامذہ، مریدین، متوسلین، کو فیض یاب کیا، اور رشد ہدایت کے سلسلہ کو مستقل طور پر انجام دینے کیلئے ''دینھی'' میں خانقاہ تیغیہ کی بنیاد ڈالی اور اسی خانقاہ کو اپنی زندگی کے آخری لمحات تک مسند رشد وہدایت بنائے رکھا، **(جاری بقیہ صفحہ 10 پر)**